اردو مرکز لائبریری

اردو ادب کے جاں فروز مرثیوں کا علمی انتخاب

پیامِ زندگی

جلد دہم

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی
(اقبال)

مرتّبہ

مولینا تاجور نجیب آبادی پرفیسر دیال سنگھ کالج ایڈیٹر اتحاد

بہ اعانت

حضراتِ اراکین اردو مرکز لاہور

میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز پبلشرز لاہور

اُردُو مرکز لاہور

ملک کی واحد اکیڈمی (اُردو مرکز لاہور) انتخاب ہفت کشور پنجاب کے دار السلطنت لاہور میں ذیل کے اہم مقاصد کی تکمیل کیلئے ایک بڑے سرمایہ سے قائم کی گئی ہے۔

(۱) اُردو لٹریچر کے ذخیرہ بیکراں میں سے اُس جاندار اور مفید حصے کو جو محفوظ رکھنے کے قابل ہے حتی الامکان تاریخی ترتیب کے ساتھ مجلدات میں شائع کرنا۔

(۲) اردو زبان کی مکمل انسائیکلوپیڈیا کی تالیف۔

(۳) ایک جامع اُردو لُغات کی ترتیب۔

(۴) اُردو مرکز کی مجلس ادبا جو درحقیقت اُردو زبان کیلئے ایک ادبی دار الافتاء ہے کے ذریعہ علمی ضروریات کے مناسب جدید الفاظ کی اختراع و متنازع فیہ امور کے متعلق ناطق فیصلہ کرنا۔

ایک باوقار علمی جماعت جسمیں ملک کے سربرآوردہ اہل قلم اور منتخب انشا پرداز شریک ہیں اردو مرکز مذکورہ بالا اہم مقاصد میں سے پہلے مقصد کی تکمیل پر اپنی تمام تر توجہ مبذول کئے ہوئے ہے۔ اسکی پہلی زرین کوشش تیس گرانقدر مجلدات کی صورت میں قدر شناس نگاہوں کے سامنے پیش کیجاتی ہے۔ آنریبل سر شیخ عبد القادر بالقابہ۔ خان بہادر شیخ نور الٰہی۔ آئی ای۔ ایس۔ پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی دہلوی جیسے نقادان ادب کے مشوروں کے ماتحت یہ مجلدات جماعت اُردو مرکز نے ترتیب دئے ہیں۔ قدر شناس اہلِ نظر نے حوصلہ افزائی فرمائی۔ تو ہم کم و بیش ڈیڑھ سو مجلدات شائع کرکے اردو مصنفین کو بڑی بڑی لائبریریوں سے بے نیاز کردینگے۔

تاجور نجیب آبادی پروفیسر دیال سنگھ کالج ایڈیٹر اتحاد و چیف ایڈیٹر اردو مرکز لاہور

کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس واقع ایبٹ روڈ لاہور میں باہتمام بابو گوراند تامل صاحب منیجر شائع ہوئی۔

فہرست

پیامِ زندگی

جلد دہم

شہادت حضرت علی اکبرؓ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علی اکبرؓ

خلیق

حضرت شہر بانو درِ خیمہ سے اپنے صاحبزادے حضرت علی اکبر کو دیکھ کر دل ہی دل میں اس طرح کہتی ہیں۔

ماں کے جذبات

بڑے نصیب تھے میرے جو میرا نورِ نظر　　کوئی پھرا نہیں میداں سے اب تلک جاکر
دیا خدا نے دوبارا مجھے علی اکبر　　پھرا ہے قتل کے میدان سے بفتح وظفر

مرے پسر کی نہیں یہ سواری آتی ہے
اُجاڑ باغ میں یادِ بہاری آتی ہے

اُٹھا کے ہاتھوں کو پھر یہ جنابِ حق میں کہا　　یہ کہہ کے شکر کا سجدہ زمیں پہ اُسنے کیا
سلامت اُسکو جو میداں سی تونے بھیجدیا　　مرا جو لال تھا اکبر علی ترا بندہ

ادائے شکر بجا اسکا کیوں نہ لاؤں میں
تری رحیمی کریمی کے صدقے جاؤں میں

سلہ "تک" کی جگہ تلک - اب متروک ہے۔

واقعہ نگاری

سرہانے عابدِ بیکس کے پھر پکاری جا[1] یہ اماں ہو گئی قربان بول اُٹھو بیٹا
تمہیں جدائی سے جس بھائی کے تھا غش آیا سواری اس کی پھری رن سے کھولو آنکھیں ذرا

تمہاری جوڑی سلامت غرض مدام رہے
تمہارا اور علی اکبر کا جگ میں نام رہے

حضرت عابد بھائی کے آنے کی خبر سُنکر باوجود ضعف و نقاہت کے درِ خیمہ تک آئے۔ لیکن پردہ اٹھا کر یہ قیامت خیز منظر دیکھا۔ کہ بھائی کی لاشں گھوڑے پر ہے۔ اور امام حسین علیہ السلام باحال پریشاں آرہے ہیں۔ حضرت شہر بانو جس وقت اپنے فرزند کی لاش دیکھتی ہیں۔ اُن کی عجب حالت ہو جاتی ہے۔ شاعر نے ان جذبات کی تصویر نہایت کامیاب اُتاری ہے۔

پر درد بیان

سواری یوں علی اکبر کی جب نظر آئی کلیجہ تھام کے ہاتھوں سے بانو چلائی
مجھے تو کچھ نہیں اسوقت دیتا دکھلائی مری تو چشم میں لوگو رہی نہ بینائی

جو تم نے دیکھا ہو اکبر کو مجھ کو دکھلا دو
ملے تم اس سے ہو تو اب مجھے بھی ملوا دو

---

[1] یعنی جا کر پکاری

فصیح

حضرت علی اکبر سے مقابلہ کرنے کے لئے عمر بن سعد کے بھیجے ہوئے سوار اس طرح آئے۔

ہر طرف کالے علم کھولے ہوئے
آئے ظالم برچھیاں تولے ہوئے
تازہ دم فوجوں نے کی آغاز جنگ پہلواں حملہ کناں تھے جوں نہنگ
پھر ہوئی اکبر کو لڑنے کی اُمنگ باگ لی اور بن گیا بجلی سرنگ
نیزہ بازی خوب کی تلوار[1] بھی
بھاگ نکلی فوج بھی سردار بھی

انداز بیاں

بھوکے پیاسے نے بھگا دی تازہ فوج جب چمک کر تیغ گرتی مثل موج
کر دیا ہر فرد کو غازی نے زوج کٹ کے سر گردن سے گرتے تھے ہوا وج
کس صفائی سے نکلتے ہاتھ تھے
حیدر کرار گویا ساتھ تھے
چپقلش میں ایسی دارو گیر کی تھی نمایاں جنگ خیبر[2] گیر کی
لگ گئیں تھیں چند بھالیں تیر کی تھی قبا سرخ احمدی تصویر کی
بھاگتے پھرتے تھے دشمن ہر طرف
تھی جدا ہر تن سے گردن ہر طرف

[1] تلوار کرنا یعنی تلوار چلانا۔ اب یہ زبان متروک ہے [2] یعنی حضرت علی

ناگہاں اکبر کو غش سا آگیا　　دھوپ کی گرمی سے دل گھبرا گیا
آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا　　دشمنِ جاں اک مقابل آگیا

سینہ پر اک نیزہ مارا زور سے
تب کہی تکبیر اس[۱] نے شور سے

حضرت علی اکبر مقابلہ کرتے ہوئے زخمی ہو جاتے ہیں۔ جناب امام حسین کو معلوم ہوا۔ کہ حضرت علی اکبر زخمی ہو گئے۔ آپ کی حالت یہ ہوئی۔ کہ

آگیا ہے فرق سا کچھ ہوش میں
کھولتا ہے دل لہو ہے جوش میں

جناب امام دردناک انداز میں فرماتے ہیں

اب اندھیرا ہے زمیں سے تا فلک
چھپ گئی میرے[۲] ستارے کی چمک

آخر کار آپ حضرت علی اکبر کے قریب پہنچ کر بہم آوازیں دیتے ہیں

کھولدیں اکبر نے آنکھیں اور کہا　　شکر ہے دیدار دیکھا آپ کا
تھی بڑی یہ آرزو مجھ کو شہا　　گھر تلک اب لے چلو بہرِ خدا

کامیابی سب کی ہو دیدار سے
دل خوشی ہو والدہ کے پیار سے

جناب امام زخمی فرزند کو درِ خیمہ تک لاکر آواز دیتے ہیں

زخمی اکبر آئے ہیں میدان سے　　مل لو آکر خلد کے مہمان سے

[۱] یعنی حضرت علی اکبر نے　[۲] استعارہ ہے مراد حضرت علی اکبر سے ہے۔

حضرت قاسم کی والدہ فرزند کو قریب المرگ دیکھ کر کہتی ہیں۔

تجھ کو جنت کا مبارک ہو چمن

مجھ کو یہ داغ اے مرے گل پیرہن

حضرت قاسم "الوداع اے کربلا کے دوستو" کہتے ہوئے ہچکی لیتے ہیں۔ اور جاں بحق ہو جاتے ہیں ✤

اے مومنو کرتا ہوں میں اسوقت وہ تقریر ۔۔۔ آنکھوں تلے پھر جائے جو شہزادی کی تصویر

نیزے کے تئیں گاڑ کے نو یادۂ شبیر ۔۔۔ میداں میں اکیلا تھا کھڑا بیکس و دلگیر

شمشیر حمائل تھی بندھی چست کمر تھی

بازو پہ کماں پشت مبارک پہ سپر تھی

حضرت علی اکبر کے حسن و جمال کو دیکھ کر لوگ متحیر ہیں۔ عمر ابن سعد کہتا ہے۔ کہ یہ علی اکبر ہیں اور ان کی صورت بالکل آنحضرت سے مشابہ ہے۔ اس کے بعد عمر سعد لوگوں کو آمادۂ جنگ کرتا ہے۔

وہ کہتے تھے کس شخص سے ہم لڑنیکو جاویں ۔۔۔ ہمشکل محمدؐ پہ بھلا ہاتھ اٹھاویں

اس سرو سے قامت کو بھلا خوں میں ڈباویں ۔۔۔ اس چاند سے سینہ پہ بھلا نیزہ لگاویں

تونے ہی جتایا ہے کہ ہمشکل نبی ہے

اب اسسے اگر جنگ کریں بے ادبی ہے

ے۱ اب یہ زبان متروک ہے "آنکھوں کے تلے کہنا چاہیئے۔

عمر سعد کہتا ہے۔ کہ ان لوگوں کے ہاتھوں کتنے ہمارے عزیز و اقارب دوست آشنا قتل ہوئے۔ جنگ شروع ہوتی ہے۔ جناب قاسم اس شان سے معرکہ آرا ہوتے ہیں۔ کہ بسملوں کی صفیں کی صفیں بچھ جاتی ہیں۔ لیکن سر سے پاؤں تک زخموں میں چور ہو جاتے ہیں۔ فوج شام سے نعرہ شادمانی بلند ہوتا ہے۔

جوشِ محبت

یہ سُنکے گئے شاہ اُدھر با دلِ پر جوش — دیکھیں تو وہی چاند پڑا خاک پہ بیہوش
گھوڑے سے[1] اُتر لے لیا اُس مہ کو بہ آغوش — اور چوم کے ہونٹ اُسکے وہ رخسار و بناگوش
کہنے لگے صدقے تری تصویر کے بابا
قربان تیری زلفِ گرہ گیر کے بابا

حضرت قاسم کو جناب امام خیمہ میں لاتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر حضرت قاسم جاں بحق ہو جاتے ہیں

اکبر کا ارادہ جو ہوا تیغ زنی کا — اور شوق دلاور کو ہوا صف شکنی کا
مشتاق تھا دل سینہ میں نیزیکی انی کا — ارمان ہوا جسم کو گلگون کفنی کا
گلرنگ شجاعت سے ہوا روئے مُبارک
بل کھانے لگے چہرے پہ گیسوئے مبارک

اس شان سے جب سامنے شبیرؑ کے آیا — آداب سے مجرے[2] کے لئے سر کو جھکایا
حضرت کا قدم چوم کے آنکھوں سے لگایا — اس درد سے رویا کہ پدر کو بھی رُلایا

[1] پرانی زبان ہے۔ "اتر کر لیلیا" اب کہنا چاہیے۔ [2] لکھنو کی تہذیب میں سلام کو مجرے کہنا زیادہ فصیح ہے۔ مرثیہ کی زبان میں یہ لفظ عام طور پر مستعمل ہے۔

کی عرض کہ یا شاہ بہت حال زبوں ہے

اس وقت شجاعت سے مرا جوش میں خوں ہے

جناب امام فرزند کے اصرار سے مجبور ہو کر فرماتے ہیں۔ کہ اچھا یہی مرضی ہے تو جاؤ اور پہلے ماں سے اجازت لو۔ اور آخر کار حضرت علی اکبر والدہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ ماں جناب امام کی خیریت اور ان کے آنے کا سبب پوچھتی ہیں۔ حضرت علی اکبر کہتے ہیں۔ کہ آپ کے دیکھنے کو جی چاہا، بے اختیار چلا' اس کے بعد اپنی ماں کے قدموں پر گر پڑتے ہیں

بیتاب ہو مادر نے وہیں سر کو اُٹھایا ۔۔۔ لے لے کے بلائیں اُسے چھاتی سے لگایا

پھر بولی کہ کرتی ہوں ترا شکر خدایا ۔۔۔ تو نے میرے فرزند کو پروان چڑھایا

سب گھر کی محبّت علی اکبر کو بہت ہے

ماں باپ سے الفت علی اکبر کو بہت ہے

حضرت علی اذن وغا طلب کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔

اب نقش محبّت کا مرے دل سے اٹھا دو

راضی بہ رضا ہو کے مجھے رن کی رضا دو

حضرت شہر بانو درد و حسرت سے بیٹے کا منہ تکنے لگتی ہیں اور انکار فرماتی ہیں حضرت علی اکبر کہتے ہیں۔

تم دیکھو گی اور گھر میں ہمیں ذبح کرینگے

عزّت سے نہ مارے گئے ذلت سے مرینگے

بانو نے یہ سنتے ہی کہا بس علی اکبر ۔۔۔ تقریر کو مت طول دو ہمشکل پیمبر

قربان ہیں اس عقل وخرد کے مرے دلبر
کس پیار سے ماری یہ چھری ماں کے جگر پر
لپٹے تھے مرے دل کے جلانے کیلئے تم
ہنستے ہوئے آئے تھے رولانے کیلئے تم

حضرت علی اکبر کہتے ہیں۔ کہ دیکھئے پھوپھی اماں نے اپنے دونوں فرزندوں کو جناب امام پر تصدق کر دیا۔ حضرت شہر بانو جواب میں فرماتی ہیں۔

واں دودھ کا خاتونِ قیامت کے اثر ہے
یاں نور کا خورشیدِ امامت کے اثر ہے

جناب امام بھی حرم سرا سے تشریف لاتے ہیں۔ اور آپ ہی کی سفارش سے حضرت علی اکبر کو اجازت ملتی ہے۔

واقعہ نگاری

ہمراہ پدر خیمہ سے نکلے علی اکبر
گھوڑے پہ چڑھے حملہ کیا فوجِ عدو پر
اس طرح شجاعت سے لڑا شاہ کا دلبر
تنہا ہی پراگندہ کیا شام کا لشکر
ناگاہ کیا نعرہ سناں ابن انس[ل] نے
پیاسے پہ لگے مینہ کی طرح تیر برسنے

الغرض حضرت علی اکبر شہید ہو جاتے ہیں۔ اور حرم میں ہنگامۂ ماتم برپا ہو جاتا ہے۔

ل فوج شام کا ایک سپاہی

حضرت علی اکبر زخمی ہونے کے بعد عالمِ خیال میں کہتے ہیں۔

پاسِ اقرار

ماں سے وعدہ تھا کہ اک مرتبہ پھر آئینگے اپنا دیدار تمہیں آخری دکھلائینگے
اب یہ معلوم ہوا اب یہیں مرجائینگے گھِر گئے راستہ اب گھر کا کہاں پائینگے

کس طرح جائیے تن میں نہیں طاقت باقی
رہ گئی وعدہ خلافی کی ندامت باقی

حضرت علی اکبر فوجِ شام سے کہتے ہیں۔

ماں مجھے دیتی نہ تھی رخصتِ میداں زنہار آخرش میں نے کیا وعدہ یہ ہو کر ناچار
آؤنگا رن سے میں خدمت میں تمہاری اکبار اب یہ ہے فکر کہ پورا کروں اپنا اقرار

تم سے بھی وعدہ یہ اس وقت کئے جاتا ہوں
دیکھکر ایک نظر پھر میں چلا آتا ہوں

فوجِ شام حضرت قاسم کا جواب زبانِ شمشیر سے دینا چاہتی ہے

پُرتاثیر بیان

علی اکبر نے کہا کرتے ہو کس طرح کلام تم تو کافر نہیں کہلاتے ہو اے فوج شام
سر سے پا تک میں ہوں تصویرِ پیمبر کی تمام کب روا ہے تمہیں مجھ پر یہ علم کرنی حسام

سختیاں خوب نہیں دل کو ذرا نرم کرو
دیکھو ہمشکل پیمبر ہے تو کچھ شرم کرو

دوسری طرف حضرت امام حسین درِ خیمہ کے قریب حضرت شہربانو سے کہتے ہیں۔

ابھی سنتا تھا میں تقریر علی اکبر کی
اب چمکتی نہیں شمشیر علی اکبر کی

جناب امام میدان جنگ کی طرف جانا چاہتے ہیں۔ حضرت شہربانو روکتی ہیں۔ جناب امام جواب دیتے ہیں۔ کہ میں رک نہیں سکتا۔ خود بخود دل اس طرف کھینچے لئے جاتا ہے

فرزند کا داغ مفارقت

کہہ کے یہ روتے روانہ ہوئے میداں کو شاہ — کچھ نہ آتا تھا نظر آنکھوں میں عالم تھا سیاہ
منہ سے بے ساختہ رہ رہ کے نکلجاتی تھی آہ — شام کے ابر میں تھے ڈھونڈ رہے اپنی راہ
ناگہاں آئی صدا یا ابتا اور کنی
تم پہ اکبر ہو فدا یا ابتا اور کنی

کب ٹھہر سکتے تھے شبیرؑ کے آگے گمراہ — کائی سی پھٹ گئی یکبار وہ کوفے کی سپاہ
حلقہ زن گرد جو اکبر کے تھی فوج روباہ — چھوڑ اکبر کو ہوئی شہ کے مقابل ناگاہ
باندھا پھر حلقہ لگے تیر لگانے ظالم
آئے شمشیر پہ شمشیر لگانے ظالم

حضرت امام حسین واپس تشریف لاتے ہیں۔ حضرت قاسم کو ہوش آتا ہے آپ حرم میں لے جانے کے لئے کہتے ہیں۔ یہ بند نہایت خوب ہے۔

محاکات

سنکے گودی میں لیا شاہ نے زخمی وہ پسر — گود میں لے کے چلے گھر کو شہ جنّ و بشر
ہاتھ ڈالے ہوئے تھے شہ کے گلے میں اکبر — سینہ پر سینہ تھا اور کاندھے پہ بابا کے سر

غش میں سر کاندھے سے بازو پہ ڈھلا جاتا تھا
سر سے عمامۂ گلگوں بھی کھلا جاتا تھا

حضرت شہر بانو اپنے فرزند کو خاک و خوں میں آلودہ دیکھ کر دل سے مخاطب ہو کر اظہارِ غم کرتی ہیں۔

دلِ پر درد سے ماں کرتی تھی رو رو یہ بیاں　　ہچکیاں لینے لگا گود میں ماں کی وہ جواں
ماں نے لاچار ہو مسند پہ لٹایا اُس آں　　اُلٹے دم لینے لگا تھا کوئی دم کا مہماں
سانس چھاتی میں جو رُک رُک کے ذرا آتی تھی
سینہ کے زخم سے ہر بار صدا آتی تھی

پائنتی خاک پہ بیٹھی تھی وہ مادر بیحال　　اور سرہانے کو پھوپھی جھلتی تھی بیٹھی رومال
ام کلثوم اُدھر خاک پہ بیٹھی تھی نڈھال　　اور کیرے تھی غم و رنج سے تصویر ملال
چپکے بیٹھے ہوئے سب اہل حرم روتے تھے
دم شماری علی اکبر کو تھی دم کھوتے تھے

میر ضمیر

آمد آمد علی اکبر کی جو مشہور ہوئی　　یعنی گلگشت شہادت اسے منظور ہوئی
دشت میں گردِ سواری جو ذرا دور ہوئی　　شاہزادے کی عیاں صورتِ پُر نور ہوئی
غل ہوا جانِ رسول الثقلین آپہنچا
ہاں خبردار کہ فرزند حسین آپہنچے

حضرتِ علی اکبر کے حسن و جمال کو دیکھ کر لوگ حیرت زدہ ہو گئے۔ اور اس طرح کہنے لگے۔

ایسے انسان بھی دنیا میں ہیں اللہ اللہ صورتیں خلق میں ایسی بھی ہیں اے واہ
قدر اس حسن کی پوچھے کوئی ماں باپ سے آہ کرتے ہونگے وہ کس انداز سے اس مُنہ پہ نگاہ

چاند سا چہرہ جو یہ اپنا دکھاتا ہوگا
پیار ماں باپ کو کس طرح کا آتا ہوگا

حضرت علی اکبر کی جوانی اور ماں باپ کی بیکسی کے خیال نے فوج میں ایک برہمی پیدا کر دی۔ یہ حال ہو گیا۔ کہ

علی اکبر کے مقابل نہ عدو ہوتے تھے
درد تھا جن کے دلوں میں وہ کھڑے روتے تھے

عمر ابن سعد۔ اہل فوج کو ڈراتا دھمکاتا ہے۔ اور کبھی لالچ کبھی غیرت دلاتا ہے الغرض فوج اس کے فریب میں آکر آمادہ جنگ ہوتی ہے۔ مقابلہ شروع ہوتا ہے۔ حضرت علی اکبر کی تیغ آزمائی ملاحظہ ہو۔

تلوار کی تعریف

جس گھڑی آئینۂ تیغ سے ہوتے تھے دوچار ایک کو دو نظر آجاتے تھے اور دو کو چار
اک نمونہ غضبِ حق کا تھا اس کا ہر وار کمر حیدر کرّار کی تھی وہ تلوار

کٹ کے پھل برچھیوں کے حسن یہ دکھلاتے تھے
آسماں سے صفتِ تیر شہاب آتے تھے

تلوار کی تعریف کے سلسلہ میں ایک بیت ملاحظہ ہو۔ بالکل اچھوتی تمثیل ہے۔

وار رو کا جو کسی نے تو سپر دو ٹکڑے

جیسے انگشت پیمبر سے قمر[۵۲] دو ٹکڑے

خیمہ کے قریب سے حضرت امام حسین اپنے فرزند حضرت علی اکبر کی جنگ دیکھ رہے تھے۔ درِ خیمہ سے حضرت شہر بانو جناب امام سے کہتی ہیں۔ کہ میرے فرزند کو گئے ہوئے دیر ہوئی اور آواز نہیں آتی۔

ماں کے جذبات

شکل ہمشکل پیمبر کو دکھاؤ صاحب
سو خدا کے لئے تم ڈھونڈھنے جاؤ صاحب

مری جانب سے یہ تکرار سناؤ صاحب
جس طرح ہو اُسے میدان سے لاؤ صاحب

گر نہ آویگا تو پھر ماں کو نہیں پاوے گا

یہ سنے گا تو مرا لال چلا آوے گا

حضرت شہر بانو عالمِ ازخود رفتگی میں پکار اُٹھتی ہیں۔ کہ بیٹا جلد آؤ۔ تمہاری ماں کو اب کسی طرح صبر نہیں۔

انداز بیاں

جذبۂ الفت کامل نے صدا پہنچائی
بات بانو نے یہ چلّا کے جو ہیں فرمائی

چار سو اُس نے دمِ جنگ نظر دوڑائی
روح اکبر قفسِ تن میں بہت گھبرائی

علی اکبر کو یہاں خواہشِ دیدار ہوئی

مُنہ پھرانا تھا کہ نیزے کی انی پار ہوئی

---

۵۲ حضور سرورِ کائنات محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ایک مشہور معجزہ ہے۔ کہ آپ (صلعم) نے انگشتِ مبارک اٹھائی اور ماہتاب دو ٹکڑے نظر آیا۔

حالت زخمداری میں حضرت علی اکبر اپنے قاتل کو تہِ تیغ کر دیتے ہیں، خون کے زیادہ مقدار میں بہ جانے کی وجہ سے بیہوشی کا عالم طاری ہونے لگتا ہے۔ جناب امام حسین علیہ السلام کو پکارتے ہیں۔ جناب امام فرزند کے قریب آتے ہیں اور لاش حرم سرا میں لیجاتے ہیں۔ حضرت شہربانو اپنے قابو میں نہیں رہتیں۔ حضرت زینب جناب امام کو صلاح دیتے ہیں۔

شاہ سے حضرتِ زینب نے کہا رو رو کر ۔۔۔ حال بانو کا دگرگوں مجھے آتا ہے نظر
لاش لیجایئے میداں کو یہی ہے بہتر ۔۔۔ ورنہ مر جائیگی کہ کہ کے یہ اکبر اکبر

غصہ اس امر میں خوب اے شہِ ابرار نہیں
اب کسی طرح سے قابو میں دلِ زار نہیں

محبّتِ پدری

آفاق میں کیا زینۂ مہرِ پدری ہے ۔۔۔ اغراض سے خالی تو مطالب سے بری ہے
بیٹے کی دل و دیدہ میں اک جلوہ گری ہے ۔۔۔ اس درد سے بدتر کوئی دردِ جگری ہے

فرزند جو ہیں ہو گئے پوشیدہ نظر سے
بس ساتھ ہی رونق بھی نکل جاتی ہی گھر سے

لایق فرزند کی موت

گھر لٹ گیا جس وقت قضا کر گیا فرزند ۔۔۔ دنیا ہوئی ویران جہاں مر گیا دلبند
اور ہو جو پسر حسن میں مہتاب سے دہ چند ۔۔۔ شیریں سخن و قابل و مطبوع و خردمند

وہ گم ہو تو پھر باپ کا عالم کہو کیا ہے[۱]
اسپر جو کرے ضبط تو یہ عین رضا ہے

[۱] اس مصرع کی ردیف یہاں بیکار و بیمعنی ہو سکتی ہے مطلب "کیا ہو سے" ادا ہو سکتا ہے۔

حضرت علی اکبر جنگ کرتے ہوئے مجروح ہو چکے ہیں۔ اور جناب امام کو آواز دیتے ہیں جناب امام فرزند کی آواز سُنکر جنگ گاہ میں پہنچتے ہیں۔ لیکن وہاں حضرت علی کا پتہ نہیں۔ آپ ہر طرف دیکھتے ہیں ۔ انتہائے غم میں بیتاب ہو جاتے ہیں ۔ اور عالم خیال میں فرزند کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

تھامے جو میرا ہاتھ کوئی پاس نہیں ہے
اس وقت چچا بھی ترا عباس نہیں ہے

اسی سلسلہ میں یہ بیت ملاحظہ ہو

گو چادر ظلمت مری آنکھوں پہ پڑی ہے
پرؔ سامنے بیٹا تری تصویر کھڑی ہے

پھر فرماتے ہیں

دنیا میں تو ایسا نہیں فرزند کسی کا
ہر عضو ہے آئینہ جمال نبوی کا

یکایک حضرت علی اکبر کے گھوڑے کے ہنہنانے کی آواز سنتے ہیں

حضرت نے رُخِ پاک اسی سمت کو پھیرا
شہ متصل آئے تو وہاں دیکھتے ہیں کیا
اک چاند تڑپتا ہے پڑا خون میں ڈوبا
لب ہلتے ہیں اتنے کہ نہ آئے مرے بابا
اک سانس فقط آپ کے سینے میں اڑی ہے
برسوں کی کمائی لٹی میدان میں پڑی ہے

آخری حالت

شہ نے کہا لو جانِ پدر آئے ہم آئے
کیا شوق ہے ملنے کو وہیں ہاتھ بڑھائے
اکبر نے پئے شکر ذرا ہونٹھ ہلائے
طاقت جو نہ تھی آنکھ نہ وہ کھولنے پائے

لہ "پر" لیکن کے معنوں میں اب متروک ہے۔

جب ضعف سے کھولا نہ گیا دیدۂ نم کو
ہاتھوں سے لگے ڈھونڈھنے بابا کے قدم کو

اکبر سے بتایا نہ گیا حال سراسر　　بس رکھدیا اک ہاتھ کو سینے پہ اٹھاکر
شہ نے کہا یاں درد ہے سمجھا مرے دلبر　　پردے کو قبا کے جو ہٹانے لگے سرور
دیکھا تو اچھلتا ہے لہو متصل اس کا
بسمل کی طرح صاف تڑپتا ہے دل اس کا

حضرت امام کی زبان سے کس قدر درد میں ڈوبے ہوئے الفاظ نکلے ہیں۔

کیسی مرے دل کی ابھی امید برآوے
جو درد ترا سب مرے دل میں اُتر آوے

انداز پیاس

تھی بانو ادھر منتظر مژدہ دیدار　　بس خیمہ کے در پر تھی کھڑی با دل افگار
یوں زینب و کلثوم سے کہنے لگی اک بار　　کیوں بیبیو کچھ تم کو بھی ثابت ہوے آثار
اب جان بدن میں مری گھبراتی ہے لوگو
اکبر کی ہوا سے مجھے بو آتی ہے لوگو

یہاں یہ ذکر ہو ہی رہا تھا۔ کہ ناگاہ۔

پر تاثیر بیاں

پاس آکے شہ بیکس و مظلوم پکارے　　خیمہ میں چلو بیبیو کہ ہم لائے تمہارے
اہل حرم اندر گئے لیکر اُسے سارے　　بیٹے کو لیا گود میں پھر شاہ نے پیارے
فرمایا تیرے باپ کی آغوش ہے بیٹا

سو یا کئے جس پر یہ وہی دوش ہے بیٹا

حضرت امام حسین مجروح فرزند کو حرم میں لے جاتے ہیں۔ جاں بلب بیٹے کو دیکھکر ماں پر غم و الم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے۔ بے اختیار دوڑ کر آغوش میں لے لیتی ہے

ناگہ علی اکبر کی لگی سانس اکھڑنے اور ہاتھ لگا زخم پہ ہر مرتبہ پڑھنے
بانو نے جو دیکھا لگے آثار بگڑنے اب کون ہے جو دے نہ مرے گھر کو اجڑنے
بولی مجھے اب صبر دے یا رب یہ دعا ہے
فرزند مری گود میں دم توڑ رہا ہے

اکبر نے کیا چشم سے مادر کو اشارہ ہم جاتے ہیں لو عفو کرو جرم ہمارا
اور جسم تشنج سے کشش میں ہوا سارا پھر یاس سے دیکھا رخ مادر کو دوبارا
لیں کروٹیں اور آن بنی نزع میں دم پر
رخصت ہوئے منہ رکھتے ہی مادر کے قدم پر

حضرت علی اکبر کے واقعات کے سلسلہ میں یہ بیت بہت خوب ہے۔

نقاش ہیں یہ صنعت تحریر نہیں ہے
تصویر دکھاتا ہوں یہ تقریر نہیں ہے

نقاش و شاعر

نقاش تو کرتا ہے قلم لے کے یہ تدبیر اک شکل بنے صفحۂ قرطاس پہ تحریر
انصاف کرو کلک زباں سے دم تحریر ہیں صفحۂ باطن پہ رقم کرتا ہوں تصویر

سو رنگ سے تصویر مصوّر نے بھری ہے
رنگینیِ مضمون کی کہاں جلوہ گری ہے

اندازِ بیان

بالا تک سخن تازہ کیا طبع نے پیدا — وہ[1] نورِ نبی اور نبی نورِ خدا کا
یہ سلسلۂ نور کہاں جا کے ہے پہنچا — اکبر کو جو دیکھا تو بتاؤ کسے دیکھا

واللہ زیارت کا سزاوار ہے اکبر
نعم[2] البدل احمدِ مختار ہے اکبر

ایک جگہ حضرت علی اکبر کے حسن و جمال کی تعریف میں مرثیہ نگار لکھتا ہے

تمثیل و استعارہ

مانندِ دعائے سحری قد رسا ہے — ماتھا ہے کہ دیباچۂ انوارِ خدا ہے
دو زلف نے اک چاند سا منہ گھیر لیا ہے — وصلِ شبِ قدر و شبِ معراج ہوا ہے

دو زلفیں ہیں رخسارِ دل افروز بھی دو ہیں
یاں شام بھی دو ہیں بخدا روز بھی دو ہیں

نیزے کی تعریف میں ندرتِ تشبیہ قابلِ ملاحظہ ہے۔

نیزہ نہیں شبیر کا یہ دستِ دعا ہے — یا نالۂ مغموم کی فریاد رسا ہے

گھوڑے کی سریع السیری کے متعلق ایک شاعرانہ مبالغہ کیا خوب ہے۔ ۶

۶ یاں ہوتا ہے معلوم نہ واں ہوتا ہے معلوم

---

[1] یعنی حضرت علی اکبر کو۔ نعم البدل اس لئے کہا ہے۔ کہ حضرت علی اکبر بالکل حضور سرور کائنات کے مشابہ تھے
[2] یہاں روز کی جگہ دن زیادہ فصیح تھا۔ لیکن میر ضمیر قدما میں سے ہیں۔ انکے دور میں اس طرح کا عیب کوئی عیب نہ تھا۔

حضرتِ علی اکبر اجازت وغا لیکر عازم میدان جنگ ہیں حضرت امام اور حضرت شہربانو کا عجیب حال ہے۔

فرزند کی دائمی جدائی

بیٹا تو ادھر واسطے مرنے کے سدھارا　　یاں شاہ نے سر چوب در خیمہ سے مارا
بانو نے ادھر ہائے پسر جب کہ پکارا　　گھونسا سا لگا آ کے کلیجہ میں دو بارا
کہتی ہیں کہ ہیں سامنے ہیاتے علی اکبر
لیکن نہیں ہم کو نظر آتے علی اکبر

حضرتِ امام حسین درگاہِ احدیت میں عرض کرتے ہیں۔

طلب صبر

ادنیٰ ترا بندہ ہوں سو طاقت مری کیا ہے　　اس داغ کا دل ہو متحمل مرا ہے
میرا بھی تو اب کوچ کا سامان لگا ہے　　دو چار گھڑی کا یہ پس و پیش ذرا ہے
بانو پہ عجب طرح کی آفت یہ پڑی ہے
یارب تری لونڈی کی مجھے فکر بڑی ہے

حضرت علی اکبر کی آمد سے فوج شام پر ہیبت چھائی ہوئی ہے۔

پرتاثیر رجزیہ

تشویش میں تھی فوج کہ اتنے[1] میں علی اکبر　　کرنے لگے میدان میں رجز خوانیاں بڑھ کر
ہوں یوسف گل پیرہن سبطِ پیمبر　　جو یائے خزان چمنِ حسرت مادر

---

[1] پرانی زبان ہے۔ "اتنے میں" کے معنوں میں استعمال کیا ہے۔

ننھیال سے ددھیال سے یہ حسب و نسب ہے
اک شاہِ عجم ایک شہنشاہِ عرب ہے

جنگ شروع ہوتی ہے۔ حضرت علی اکبر کی تیغ خوں آشام کے سلسلۂ تعریف میں یہ بند غنیمت ہے۔

تھا آبِ دمِ تیغ سے طوفان کا اسباب — تھی موجِ فنا سر سے گزرتا تھا پڑا آب
دریا تھا وہ لشکر تو ہر اک حلقہ تھا گرداب — اعضائے بریدہ صفتِ ماہی بے آب
آبِ دمِ خنجر پہ علمداروں کے دم تھے
جب تیغ علم کی تو علم صاف قلم تھے

عمر بن سعد مشہور پہلوان حضرت اکبر سے مقابلہ کرنے کے لئے بھیجتا ہے۔ پہلوان سامنے آتے ہیں۔ باہمی رد و بدل کے بعد

معرکہ آرائی

دونوں سے غرض چلنے لگے نیزۂ خونخوار — گر اُس کا گیے اس کا کھڑے روکتے تھے وار
اک برق الٹتی تھی پلٹتی تھی ہر اک بار — گھوڑا تھا وہ یا کل کا بنایا ہوا رہوار
نیزہ وہ نہ تھا شعلۂ جوالہ ہوا تھا
گرد مہ رخسار عجب ہالہ ہوا تھا

ربط باطنی

یاں وار کیا پشت پہ ظالم نے قضا را — اکبر نے پلٹ کر وہیں نیزہ اُسے مارا
لگتے ہی پلٹنے نے غضب کر دیا سارا — بس سر کے بل آیا نہ رہا سانس کا یارا

ل حَسَب کی جگہ حَسَب کیا نظم کیا ہے

واں شاہ گرے یانو کو غش آگیا گھر میں
اک نیزے نے سوراخ کیئے تین جگر میں

حضرتِ امام بیٹے کی تلاش میں خیمۂ اطہر سے جنگاہ کی طرف جاتے ہیں۔ جناب کا شدتِ غم والم سے یہ حال ہے کہ

لو پاس کا انسان دکھائی نہیں دیتا
اب کچھ انہیں آنکھوں سے سوجھائی نہیں دیتا

حضرت امام حسین مجروح اور جاں بلب فرزند کے پاس جاکر دیکھتے ہیں۔ کہ

محاکات

چھاتی پہ دھرا ہاتھ ہے اور خون ہے اُبلتا تھم تھم کے لہو سانس کے ہمراہ ہے نکلتا
منہ زرد ہے جس طرح کہ خورشید ہو ڈھلتا ماتھے پہ عرق آیا ہے اور دل ہے اچھلتا

مشتاقِ پدر دیر سے ہر چند ہیں آنکھیں
کھلتی ہیں کبھی اور کبھی بند ہیں آنکھیں

بیساختہ اُس دم شہِ مظلوم پکارے لو جانِ پدر آئے ہیں ہم پاس تمہارے
بولا نہ گیا جب کیئے ابرو کے اشارے رکھ دیجئے کفِ پاک کو سینے پہ ہمارے

جینے کی نہ دنیا کی نہ کوثر کی ہوس ہے
اس وقت مجھے زانوئے مادر کی ہوس ہے

جناب امام حضرتِ علی اکبر کو حرم سرا میں لے جاتے ہیں۔ تمام عورات غم والم کی تصویر بنی ہوئی ہیں۔ حضرت شہر بانو اپنے فرزند کو اس حال میں دیکھ کر از خود رفتہ ہوگئیں۔ حضرت علی اکبر ماں کو تسکین دیتے ہیں۔ اور کچھ کلمات کہتے ہیں

یہ سنتے ہی غش ہو گئی بانو جگر افگار
سب گرد کھڑے ہو گئے گھبرا کے بس اکبار
فرصت جو ملی اتنی تو یا دینِ خونبار
لاشے کو اٹھا کے گئے باہر شہِ ابرار
باقی علی اصغر کے سوا کوئی نہیں ہے
اب خنجرِ بیداد و گلوئے شہِ دیں ہے

حضرت علی اکبر کو رخصت کرتے وقت ان کی والدہ حضرت شہر بانو فرماتی ہیں۔

اس آگ کا شعلہ کبھی خاموش نہ ہو گا
تو وہ ہے کہ تا مرگ فراموش نہ ہو گا

فرماتی ہیں کہ ٹھہرو میں تمہیں جی بھر کر دیکھ تو لوں۔ کچھ دیر کے بعد آپ مضطرب ہو کر اس طرح کہتی ہیں

تسکین کسی طرح سے میری نہیں ہوتی
یہ کیا ہے کہ لوگو مجھے سیری نہیں ہوتی

یہ دردناک منظر دیکھکر حضرت امام حسین علیہ السلام باوجود انتہائی ضبط کرنے کے بیقرار ہو جاتے ہیں۔ حضرت قاسم باپ کو تسکین دیتے ہیں۔

اولاد کی محبت

حضرت نے کہا واقعی سچ کہتا ہے بیٹا
بیصبر محبت میں تری ہے ترا بابا
لیکن قلق[۵۱] اس وقت ہمارا نہیں بیجا
ہوتا ہے یہی الفتِ فرزند کا نقشا

۵۱ قلق، سخت تکلیف

کچھ تجھ کو محبت کا مزا یاد نہیں ہے

بیٹا علی اکبر تری اولاد نہیں ہے

انداز بیان

اسیر بھی تو میں نے تمہیں میدان کی رضا دی — الفت کہاں الفت تو ترے دل سے اٹھا دی

جیتا ہے ابھی تو یہ تری یاد بھلا دی — تصویر تمنا ورقِ دل سے مٹا دی

یاں تک بھی تو کہتا نہیں تم خیمے میں دم لو

تم باپ سے رونے کی بھی چاہو تو قسم لو

واقعہ نگاری

جس وقت یہ فرمایا شہ[1] ہر دو سرا نے — کچھ سوچ کے اکبر بھی لگے اشک بہانے

گردوں پہ فغاں اہل حرم کی لگی جانے — میداں کا ارادہ کیا شاہِ شہدا نے

پردہ درِ خیمہ کا اٹھا کر نکل آئے

روتے ہوئے پیچھے علی اکبر نکل آئے

عمر ابن سعد با آوازِ بلند کہہ رہا ہے۔ کہ حسین کی طرف سے اب تک مقابلہ کے لئے کوئی نہیں آیا۔ کیا سبب ہے۔

یہ بات ابھی فوج سے کہتا تھا وہ نامرد — جو سامنے سے دشت میں پیدا ہوئی اک گرد

جس گرد کے نظارے سے ہو ہو گئے دل سرد — ہاتھوں سے عبا چھوٹ گئی چہرے ہوئے زرد

نیزے کو لئے اس میں نمایاں ہوئے اکبرؑ

مانند علیؑ رونقِ میداں ہوئے اکبرؑ

---

[1] یعنی امام حسین۔

جنگ شروع ہوتی ہے۔ حضرت علی اکبر لاشوں سے میدان بھر دیتے ہیں۔ لیکن خود بھی از سرتاپا زخموں میں چور ہو کر مضمحل ہو جاتے ہیں۔ اسی حالت میں کسی نے سینۂ پاک پر نیزہ مارا۔ آپ بے قابو ہو گئے اور غش کی سی حالت طاری ہونے لگتی ہے۔ حضرت قاسم جناب امام حسین کو آواز دیتے ہیں۔

جذبات نگاری

مجروح پسر کا جو سنا شاہ نے نالا　　مضطر ہوئے پر خوف سے بانو کو سنبھالا
بانو نے یہ گھبرا کے کہا اے شہ والا　　سینے میں ہوا جاتا ہے کچھ دل تہ و بالا

حیران ہوں یہ کس کی صدا آتی ہے رن سے
سننے سے اس آواز کے جی ہو گیا سن سے

جناب امام حسین اپنے فرزند کی لاش حرم میں لاتے ہیں۔ مرثیہ نگار نے اس موقع کی تصویر اس طرح کھینچی ہے۔

جو بی بی تھی اس خیمہ میں کھولے ہوئے سر تھی
اس غل کی مگر بانو کو اصلاً نہ خبر تھی

حضرت شہر بانو فرطِ غم میں از خود رفتہ ہو جاتی ہے۔

پھر شاہ سے کی عرض کہ عالم کے خدا دے　　فرماؤ کسی کو کوئی اکبر کو بلا دے
شہ نے کہا اے بی بی تجھے صبر خدا دے　　فرزند کو اللہ ترے دل سے بھلا دے

اے بی بی ترا صاحب اقبال یہی ہے
تو ڈھونڈھ رہی ہے جسے وہ لال یہی ہے

داغ غم فرزند

دکھلائے خدا داغ نہ فرزند جواں کا   یہ داغ خریدار ہے ماں باپ کی جاں کا
اولاد کا غم شغل ہے فریاد و فغاں کا   جب ہو نہ دلارام تو آرام کہاں کا

یہ داغ کسی صاحب اولاد سے پوچھو
شبّیر سے یا بانوئے ناشاد سے پوچھو

اولاد کے سلسلۂ ذکر میں شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

پژمردہ کسی غم سے جو غنچہ ہوا دل کا
اس شکل کو دیکھا تو کنول کھل گیا دل کا

یہاں سے واقعات شہادت حضرت علی اکبر شروع ہوتے ہیں۔ آپ اپنے پدر بزرگوار جناب امام حسین کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔ کہ آپ مجھے اپنے قدموں پر نثار ہو جانیکی اجازت دیجے۔ مرثیہ نگار نے اس موقع کے متعلق ایک بیت خوب لکھی ہے۔

سکتے کا سا عالم ہے حسین ابن علی کا
منہ دیکھکے رہجاتے ہیں ہمشکل نبی کا

واقعہ نگاری

کیا ضبط ہے کیا صبر ہے کیا حوصلہ ہے واہ   مارا گیا قاسم سا بھتیجا یہ نہ کی آہ
اور عون و محمد نے بھی فردوس کی لی راہ   عباس کو بھی قتل ابھی کر چکے گمراہ

یہ داغ عزیزوں کے کلیجہ میں پڑے ہیں
باقی علی اکبرؑ ہیں سو مرنے کو کھڑے ہیں

محبتِ پدر

ہمت تو یہ کہتی تھی کہ اکبر کو رضا دو اب ترک کرو الفتِ ہمشکلِ نبیؐ کو
پر دل یہی کہتا ہے نہیں اے شہِ خوش خو آنکھوں کا اشارہ ہے کہ ہم سے نہ نہاں ہو
ہے روشنی ہم میں تو اسی رشکِ قمر تک
یہ نورِ بصارت ہے اسی نورِ نظر تک

حضرت عالم خیال میں اس طرح جواب دیتے ہیں۔

اب نورِ بصارت کی نہیں مجھ کو ہوس ہے
حق کا کرم خاص مرے حال پہ بس ہے

طلبِ صبر

پھر سوئے فلک دیکھکے بولے شہِ ابرار یارب ترے قربان میں اور سب مرا گھر بار
کر صبر مرے دل کو عطا اے مرے غفار اسوقت میں ہوتا ہے جدا مجھسے یہ دلدار
بیتاب ہوں اس وقت قلق دل کو بڑا ہے
مہرِ پدری نے مجھے ناچار کیا ہے

حضرت علی اکبر کے بڑے بھائی حضرت عابد بیمار تھے۔ اور ضعف اس درجہ تھا۔ کہ اٹھ نہیں سکتے تھے۔ لیکن بھائی کی طیاری جنگ کا حال سُنکر بے اختیار ہو گئے۔

بھائی کا جذبۂ ایثار و محبت

گھبرا گئے بستر سے اُٹھے کانپتے تھر تھر آراستہ ہتھیار لگے کرنے بدن پر
اور بولے کہ بیمار کا مر جانا ہے بہتر کٹوا دونگا اکبر کے عوض اپنا ہی میں سر

ہو جاؤں سبکدوش جو سر تن سے اُتر جائے
اکبر کی بلا لے کے یہ بیمار ہی مر جائے

حضرت علی اکبر اپنے بھائی جناب عابد کو سمجھا کر رو کتے ہیں۔ ناگاہ فوج شام سے آوازیں آتی ہیں۔ کہ حرم کو نرغہ میں لیلو۔ حضرت شہر بانو یا تو بیٹے کو کسی طرح اجازت نہیں دیتی تھیں۔ یا اب جوشِ غیرت سے یہ عالم ہے۔

اکبرؑ کو پکاری ادھر آؤ علی اکبرؑ　　آئے تھے رضا لینے کو جاؤ علی اکبرؑ
اس لشکرِ اعدا کو بھگاؤ علی اکبر　　اب خون کے دریا میں نہاؤ علی اکبر
کی آخری تسلیم جو اُس رشکِ قمر نے
اک آہ کی تب بانوئے تفتیدہ جگر نے

حضرت علی اکبر سب سے رخصت ہو کر میدانِ کارزار میں پہنچتے ہیں۔ جنگ شروع ہوتی ہے۔

ناگاہ جھکا فوج پہ شبیر کا پیارا　　میدانِ شقاوت تہ و بالا ہوا سارا
پسپا ہوئے اعدا نہ رہا جنگ کا یارا　　خورشیدِ فلک کو نہ رہی تاب نظارا
غصّے میں جو دیکھا شہِ بیکس کے خلف کو
مشرق سے چلا بھاگ کے مغرب کیطرف کو

تلوار کی تعریف

اک جا پہ وہ تلوار نہ دیتی تھی دکھائی　　جوں مرگِ مفاجات ادھر آئی ادھر آئی
ہونے جو لگی لشکرِ اعدا کی صفائی　　ہر طائرِ جاں کرنے لگا تن سے جدائی
تھا شور کہ اس تیغ سے عبرت کا محل ہے

تلوار نہیں یہ پرِ شہبازِ اجل ہے

برش شمشیر

وہ برق تڑپتی ہوئی جس غول پہ آئی
گہ فرق پہ گہ زیورِ گردن نظر آئی
گہ دوش پہ گہ سینہ پہ گہ تا کمر آئی
گہ سر پہ گری ناخنِ پا تک اُتر آئی
ٹکڑے تنِ اشرار کے اک جا پہ نہیں تھے
تھا فرق کہیں ہاتھ کہیں پانو کہیں تھے

ناگاہ فوجِ شام آپ پر حملہ کرتی ہے۔ آپ مجروح ہو کر فرشِ خاک پر گر جاتے ہیں۔ جناب امام فرزند کے قریب پہنچتے ہیں۔ حضرت قاسم آنکھ کھولکر باپ کی صورت دیکھتے ہیں اور طائر روح پرواز کر جاتا ہے۔

دلگیر

درس تسلیم و رضا

جب پڑی دھوم یہ خیمہ میں کہ آتے ہیں حسین لاشۂ اکبرِ مجروح کو لاتے ہیں حسین
پاؤں رُک رُک کے سوئے خیمہ اٹھاتے ہیں حسین ہر قدم لاش کو چھاتی سے لگاتے ہیں حسین
کبھی ہیں صبر کی بانو کے دعا فرماتے
کبھی ہیں منھ سے رضینا بقضا فرماتے

درِ خیمہ پر پہنچکر جناب امام حسین حضرت زینب کو بلاتے ہیں اور حضرت علی اکبر کی ماں حضرت شہر بانو کا حال دریافت کرتے ہیں۔

غم فرزند

عرض کی زینبِ محزوں نے کہ اے شاہنشہ جب سے میدان میں لڑنے کو سدھارا یہ ماہ
میری بھابھی کا بہت حال ہے واللہ تباہ آنکھیں تو بند ہیں اور کرتی ہے ہر مرتبہ آہ
نہ تو کچھ ہوش بدن کا ہے نہ چادر کی خبر
نہ سکینہ کی خبر کچھ ہے نہ اصغر کی خبر

یہ سُنکر جناب سید الشہدا اس خیال سے کچھ دیر تامّل فرماتے ہیں۔ کہ فرزند کو اس صورت سے دیکھ کر خدا جانے کیا حال ہو جائے۔ پھر خود ہی فرماتے ہیں

ہوں رضینا بقضا خیر اسے لے چلئے
جو بھی دکھلائے خدا خیر اسے لے چلئے

اس کے بعد آپ قریب المرگ بیٹے کو اندر لے جاتے ہیں۔ حضرت زینب حضرت

ﷺ یعنی حضرت شہربانو زوجہ حضرت امام حسین ؑ

شہر بانو کو ہوشیار کرتے ہوئے کہتی ہیں۔ کہ علی اکبر آئے ہیں۔ حضرت شہر بانو یہ مژدہ سنتی ہیں۔ اور

کھول کر آنکھ کہا آؤ مری آنکھوں پر
ارے لوگو اسے بٹھلاؤ مری آنکھوں پر

حضرت شہر بانو اپنے فرزند حضرت علی اکبر کو سر سے پا تک زخموں میں چور دیکھ کر ازخود رفتہ ہو جاتی ہیں۔ بیٹے کے قریب آکر کبھی بلائیں لیتی ہیں کبھی دعائیں دیتی ہیں۔ حضرت علی اکبر پر ضعف کی وجہ سے بیہوشی کا سا عالم ہے۔ حضرت شہر بانو اپنے فرزند کی جرأت و بہادری کا حال دریافت کرتی ہیں۔ جناب امام تعریف فرما ہی رہے تھے کہ یکایک حضرت علی اکبر آنکھ کھول دیتے ہیں۔ اور ماں کی طرف دیکھنے لگتے ہیں۔ چہرہ پر کچھ برہمی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ حضرت شہر بانو کے کہنے پر حضرت زینب بھتیجے سے اس تکدّر کا سبب دریافت فرماتی ہیں۔

مرثیۂ والدین

عرض کی اکبر مجروح نے اے بنت علی | ہیں خفا والدہ حسب سے ہوں طاقت ہے مری
دوزخی ہے وہ پسر جسکو ہو ماں سے خفگی | اور خصوصاً مری ماں تو ہی بہو زہرا کی

کب گوارا ہے مجھے ماں باپ کی ناراضی ہو
راضی ماں باپ اگر ہوں تو خدا راضی ہو

شہ[1] نے اماں سے میرا ذکر شجاعت جو کیا | پھوپھی[2] اماں عرق شرم میں ہیں ڈوب گیا
نہیں مجھ سے تو کوئی امر عظیم ایسا ہوا | فتح اعدا کی لڑائی بھی نہیں کر سکتا

---

[1] مراد حضرت امام حسین سے ہے۔ [2] یعنی حضرت زینب

پانی پیاسوں کو بھی خیمہ میں میں پہنچا نہ سکا

کاٹ کر میں عمر و شمر کا سر لا نہ سکا

پھر ارشاد کرتے ہیں کہ اس حقیقت اور اس حالت میں میرے کارناموں کا مذکور مناسب نہیں اگر میری تعریف میری سامنے کی گئی تو ظاہر ہے کہ نفسانیت میری کمزور طبیعت پر غالب آ کر مجھے مغرور بنا دیگی اور غرور یہ وہ شے ہے۔ جس نے بڑی بڑی ہستیوں کو گمراہ کر دیا ہے۔ اپنی تعریف و ستائش کے لئے جنگ نہیں کی۔ ورنہ میں خود کہلاتا۔ حقیقت حال یہ ہے۔ کہ میں صرف حفظ حرم امام دوسرا کے لئے لڑا ہوں۔ اسی سلسلہ میں کہتے ہیں۔

جس قدر میری شجاعت کا بیان ہوگا زیاد
میری اور اماں کی ہو جائیگی محنت برباد

جری و صابر و شاکر ہیں شہ نیک نہاد
دے رہے ہیں شہ ذی صبر و شجاعت کی داد

جان و مال اور سر و تن بہر خدا کھوتے ہیں

دیکھو بابا کبھی بے صبر نہیں ہوتے ہیں

حضرت شہر بانو فرماتی ہیں۔ کہ بیٹا مجھے صبر کا دعوٰی نہیں۔ لیکن کیا تم نے سنا ہے کہ کسی ماں نے اپنے بیٹے کو مر جانے کی اجازت دی۔ میں کیا کروں۔ کہ بہت کچھ صبر و ضبط کرتی ہوں۔ لیکن دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔

یہ خبر سنتے ہی رونے لگا اک یار اکبر
پھر کہا ماں سے کہ تم بیٹھو مرے پاس آ کر

پاس جو بیٹھ گئی بانوئے تفتیدہ جگر
عرض کی ہو مری تقصیر معاف اے مادر

حضرت شہر بانو کچھ کہنا ہی چاہتے تھے کہ حضرت علی اکبر پر آثار مرگ ظاہر ہونے لگتے ہیں۔ اور یکایک روح ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کر جاتی ہے۔

حضرت علی اکبر اپنی والدہ محترمہ جناب شہر بانو سے رخصت طلب ہوتے ہوئے کہتے ہیں۔

جو حال ہے روشن ہے وہ سب آپکے اوپر
صدقے کرو تم مجھ کو میرے باپ کے اوپر

بصد مجبوری حضرت شہر بانو فرزند کو اجازت جنگ دیتی ہیں، لیکن فرماتی ہیں کہ اپنی پھوپھی حضرت زینب سے تو ملتے جاؤ۔ حضرت علی اکبر عرض کرتے ہیں

ہووےگی اجازت مجھے دشوار پھوپھی سے
رخصت مجھے فرماؤ کہو کچھ نہ کسی سے

حضرت زینب کو بھتیجے کے عزم جنگ کی اطلاع ہو جاتی ہے۔ بھتیجے سے فرماتی ہیں کہ میں نے تمہیں بیٹوں سے زیادہ عزیز سمجھا۔ لیکن تم

"رخصت سے بھی محروم کیئے جاتے تھے مجھ کو"

حضرت علی اکبر کچھ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں کہ جناب زینب بھی اجازت دینے پر مجبور ہو جاتی ہیں

واقعہ نگاری

یہ سنکے وہاں جمع ہوئیں بیبیاں ساری — کوئی کرتی تھی فریاد کوئی کرتی تھی زاری
ماں سکتے کے عالم میں تھی دکھ درد کی ماری — زینب نے کہا بات کرو بیٹے سے واری

وہ بولی زباں اب مری چلتی نہیں زینب
کچھ بات مرے منھ سے نکلتی نہیں زینب

مخدرات سے رخصت ہوتے ہوئے حضرت علی اکبر کی یہ حالت تھی - کہ

ل ھی کی وزن پر کوئی لکھا ہے۔ پرانی زبان ہے۔ اب اس طرح کا استعمال صحیح نہیں ۔

ہر چند کہ اشکِ علی اکبر نکل آئے
گھبرا کے مگر خیمہ سے باہر نکل آئے

خیمے سے باہر آتے ہی امام عالی جاہ کے پاس پہنچتے ہیں۔ چہرے سے غم و استقلال ٹپکتا ہے۔ مگر دم رخصت۔

رو رو کے سکینہ نے جو منہ پر دھرا تھا
وہ پھول سا منہ اشکوں سے خواہر کے بھرا تھا

حضرت علی اکبر عازم وغا ہیں۔ حضرت شہر بانو درِ خیمہ سے کہتی ہیں۔ کہ میں تمہاری پہلی جنگ دیکھونگی۔ آپ جواب دیتے ہیں۔ کہ عورتوں کی طبیعت فطرتاً نازک ہوتی ہے۔ وہ ذرا ذرا سی بات پر گریہ و بکا شروع کر دیتی ہیں۔ مگر یہ بے محابہ گریہ اکثر خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ اور خصوصاً جنگ کے موقع پر تو سپاہی کا حوصلہ اور بھی پست ہو جاتا ہے۔ آپ بخوشی مشاہدہ جنگ کریں۔ مگر

تم روئیں تو کچھ مجھ سے نہ بن آئے گی اماں
پھر جنگ مری بن کے بگڑ جائے گی اماں

آپ میدانِ کارزار میں پہنچکر مصروف جنگ ہوتے ہیں۔

اکبر نے جس اسوار پہ تلوار چلائی — گھوڑے سے گرا ایسا کہ آواز نہ آئی
نیزے کی انی جس پہ بہادر نے لگائی — فرصت بھی پلک مارنے کی اُسنے نہ پائی

آپ بہت بہادری سے لڑتے ہیں۔ مگر ایک آدمی اس کثیر فوج کا مقابلہ کیونکر کر سکتا ہے۔

لے یعنی حضرت امام حسین کے پاس

ناگاہ کسی دشمن نے حضرت علی اکبر کے سینہ میں نیزہ پیوست کر دیا۔

غمِ فرزند

دروازے پہ بانو جو کھڑی کرتی تھی نالا　　آنکھوں سے یہ دیکھا کہ لگا بیٹے کو بھالا
ہر چند بہت آپ کو بانو نے سنبھالا　　نے بیٹی نہ ہاتھ اس نے گریباں پہ ڈالا

غم کی جو چھری چل گئی اُس زار و حزیں پر
یکبار گری ہائے پسر کہہ کے زمیں پر

جناب امام فرزند کی لاش حرم سرا میں لاتے ہیں۔ خیمہ ماتم کدہ بن جاتا ہے۔

خلیل

مناقب حضرت علی اکبر

کیا مدح لکھے اکبر خورشید لقا کی　　ممکن نہیں ذرّے سے صفت نورِ خدا کی
قدرت نظر آتی ہے یہاں جل وعلا کی　　تصویر سراپا ہے رسولِ دوسرا کی

لہجہ ہے وہی لب وہی آواز وہی ہے
باتوں میں کرو غور تو انداز وہی ہے

حضرت علی اکبر جناب رسالت مآب صلعم کے بالکل مشابہ تھے۔ مرثیہ نگار اس واقعہ کو ان الفاظ میں نمایاں کرتا ہے۔

ہاں جس نے نہ دیکھا ہو رسولِ عربی کو
دیکھے رخِ کنعانِ حسین ابنِ علی کو

لہ نہ کی بجائے استعمال ہوا ہے۔ اب متروک ہے۔

اور

خالی نہ تجلیِ رُخِ پاک کو دیکھو
ہر عضو میں حسنِ شہِ لولاک کو دیکھو

اسی سلسلہ میں ایک بند ملاحظہ ہو۔

مناقب

کیا اوج ہے کیا رفعتِ پیشانی اکبرؑ　　حاصل ہے شرف جسکو مہِ چاردہم پر
تشبیہ غلط ہے جو کہیں مہرِ منوّر　　ہے جوہر آئینہ اقبالِ سکندر
کیا صلِّ علیٰ لوحِ مقدّس کی ضیا ہے
گویا کہ یہ پیشانی محبوبِ خدا ہے

اب واقعات کی ابتدا اس بند سے ہوتی ہے۔

غم فرزند

اللہ نہ بچھڑے کوئی فرزند پدر سے　　مضطر ہو الگ دل جو ہو پہلو سے جگر سے
صدمہ یہ اُٹھایا نہیں جاتا ہے بشر سے　　مرجاتا ہے انسان غمِ مرگِ پسر سے
بیٹا ہو جُدا باپ کا جی کب اُسے مانے
اس درد کو جو صاحبِ اولاد ہو جانے

حضرت علی اکبر جناب امام حسینؑ کے نوجوان صاحبزادے تھے جو میدان کربلا میں شہید ہوئے۔ اسی مناسبت کو پیش نظر رکھ کر یہ بیت ملاحظہ ہو۔

ماں باپ سے فرزند کی الفت کوئی پوچھے
یعقوب سے یوسف کی حقیقت کوئی پوچھے

حضرت عباس شہید ہو چکے۔ جناب امام بھائی کے غم میں از خود رفتہ ہو کر اپنے صاحبزادے حضرت علی اکبر سے کہتے ہیں۔ کہ اب ہمارا جینا بیکار ہے۔ ہمارا سامانِ جنگ لاؤ کہ ہم بھی جامِ شہادت نوش کریں۔

فرض شناسی

یارا نہ رہا ضبط کا ایسے ہوئے مضطر | رونے لگے سُن کر اسے ہم شکل پیمبر[۱]
فرمائیں نہ یہ اے پسرِ ساقیٔ کوثر[۲] | کہنے لگے یوں باپ کے قدموں سے لپٹ کر

سب ہم کو کہینگے کہ یہ ہیں نام کے فرزند
بابا کے نہ کام آئے تو کس کام کے فرزند

بسمل جگر و دل ہے دھڑکتا ہے کلیجا | ظاہر ہوا جس وقت سے عزمِ شہِ والا
اب قطع محبت مری فرمائیے آقا | جز اس کے غلام آپ کا کچھ کہہ نہیں سکتا

تاخیر نہ اس امر میں کیجے کوئی دم کی
خادم کو رضا دیجیے میدانِ ستم کی

بابا سے جدا حیف ضعیفی میں نہ ہو تم | اکبر سے کہا جانِ پدر یہ نہ کہو تم
پہلے ہمیں دفنا لو تو پھر عزم کرو تم | مقتل کا ابھی سے بخدا نام نہ لو تم

دم بھر تری فرقت میں نہ کل پائینگے پیارے
بے موت ہی ہم جی سے گزر جائینگے پیارے

حضرت علی اکبر باپ کی بیکسی و تنہائی اور عزیز و اقارب کے واقعاتِ شہادت سے اس درجہ متاثر ہیں کہ کسی طرح نہیں مانتے۔ آخر دل پر انتہائی جبر کر کے

۱؎ یعنی حضرت علی اکبر ۲؎ ساقی کوثر حضرت علی کا خطاب ہے۔ پسرِ ساقی کوثر سے مراد جناب امام حسین ہیں

حضرت امام ان دردناک الفاظ میں اجازت دیتے ہیں

ماں کے حقوق

حضرت نے کہا اگر یہی منظور ہے پیارے
اک ہم ہی نہیں چاہنے والے ہیں تمہارے
بانو سے اگر تم نہ ملے رن کو سدھارے
کیا حال ہو اس کا کھو دکھ درد کے مارے

امید بہت اس کو ترے دم سے ہے بیٹا
حق پالنے والی کا سوا ہم سے ہے بیٹا

اٹھارہ برس جس نے اٹھائی ہے مشقت
بیٹا تمہیں لازم ہے کہ لو اُس سے اجازت
کہنے لگے اکبر کہ زہے شانِ عنایت
ہر حال میں ماں باپ کی ہے فرض اطاعت

پر دل کو یقیں ہے وہ رضا رن کی نہ دینگی
بابا سے طلب اذن کرو بس یہ کہینگی

جناب امام حسین علیہ السّلام اپنے ہمراہ اپنے فرزند حضرت علی اکبر کو حرم میں لیجاتے ہیں ماں کا دل بیٹے کو باپ کے ہمراہ ایک خاص ملتجیانہ انداز سے آتے ہوئے دیکھ کر گھبرایا۔ جناب امام سے سبب پوچھتی ہیں۔ آپ خود کچھ نہیں کہتے ہیٹے کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ کہ انہیں سے پوچھ لو۔ حضرت علی اکبر ماں کے قدموں پر گر کر اذنِ وغا طلب کرتے ہیں۔

ماں کی محبّت

رخصت جو طلب کرنے لگے اکبرِ جرّار
بولیں یہ جگر تھام کے بانوے دل افگار
کس دل سے رضا دے یہ مصیبت کی گرفتار
فرزند مرے اور جیے مادرِ غمخوار

بیٹا ترا لاشہ ہمیں خالق نہ دکھائے
اللہ تجھے مرگِ جوانی سے بچائے

وہ دل نہیں بیٹا جو ترا داغ اُٹھائے
اندھیر ہے ماں دیکھے۔ پسر مرنے کو جائے
اللہ کسیکو یہ مصیبت نہ دکھائے
دشمن کو بھی یہ وقت بُرا پیش نہ آئے
ہر دل کے لئے شاق جدائی ہے پسر کی
برباد نہ ہو حیف یہ دولت کسی گھر کی

حضرت علی اکبر کی والدہ حضرت شہر بانو کسی طرح اپنے فرزند کو اجازت نہیں دیتیں، اور حضرت علی اکبر کا اصرار بڑھتا جاتا ہے۔ یہانتک کہ جناب امام اپنے فرزند کی سفارش کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

درس تسلیم و رضا

حضرت[۱] نے کہا خیر جو کچھ کہتے ہیں اکبر
خوش ہو کے اُسے مان لو اے بانوئے مضطر
چارا نہیں اپنا جو بگڑ جائے مقدّر
راضی ہو ہر حال میں تم مرضی حق پر
لو نام خدا اذن وغا دو انہیں بی بی
پھر آئیں سلامت یہ دُعا دو انہیں بی بی

آخر بدقّت حضرت شہر بانو نے اجازت دی

حضرت[۲] نے کیا سُنکے یہ اکبر کو اشارا
مجرے کو جھکا ابن ید اللہ کا پیارا
بانو میں نہ اس وقت رہا ضبط کا یارا
صدمے سے جگر شق ہوا دل غم سے دوپارا
بولیں کہ ٹھہر جاؤ میں قربان ترے پیارے
ملکر پھوپھی اماں سے سدھارو مرے پیارے

---

۵۱ یعنی حضرت امام حسین۔ ۵۲ مراد حضرت زینب سے ہے۔

عاشق ہیں تری اے پسر خاصۂ باری الفت ہے فزوں ان کی محبت سی ہماری
یہ ہم سے سوا چاہنے والی ہیں تمہاری بیٹوں کو تصدق کیا تجھ پہ ترے واری

فرماتی تھیں جب عون و محمد گئے مارے
کیا غم ہے سلامت رہیں اکبر مرے پیارے

فرماتی تھیں اکبر سے جو یوں حضرت بانو[1] کہتی تھیں کھڑی زینب ناشاد یہ رو رو
حیرت ہے بہن آپ یہ سمجھاتی ہیں کسکو کیا واسطہ ہم سے انہیں پوچھیں یہ ہمیں جو

ہم غیر ہیں غیروں کا ٹھکانا نہیں بی بی
کچھ فرض ہمیں پوچھ کے جانا نہیں بی بی

حضرت علی اکبر بکمال ادب عرض کرتے ہیں

تھا شک تو یہ اماں یہ رضا رن کی نہ دینگی بابا پہ تصدق ہو۔ یہ ہرگز نہ کہینگی
واقف نہ تھے شکوہ پھوپھی[2] اماں یہ کرینگی آزردہ ہی ہم سے دم رخصت وہ ملینگی

فرمائینگی کیسے مرے پیارے علی اکبر
میں کسکی پھوپھی کون ہمارے علی اکبر

الغرض حضرت زینب سے بھی اجازت لیکر آپ عازم میدان کارزار ہیں فوج شام کے لوگ باتیں کر رہے تھے۔ کہ اب رفقائے حسین میں سے سوائے علی اکبر کے اور کوئی باقی نہ رہا۔ اسی سلسلہ گفتگو میں لوگ کہتے ہیں۔ کہ

اکبر کو کبھی شاہ ادھر آنے نہ دینگے بیٹے کو کبھی تیغ ستم کھانے نہ دینگے
رخصت کا سخن لب پہ انہیں لانے نہ دینگے خیمہ سے کسی اور طرف جانے نہ دینگے

[1] زوجہ محترمہ حضرت امام حسین [2] حضرت زینب سے مراد ہے

یہ داغِ الم دل پہ کبھی لے نہیں سکتے
فرزند کو مرنے کی رضا دے نہیں سکتے

خلافِ توقع حضرت علی اکبر کو آتے ہوئے دیکھکر دشمنوں کی زبان سے بھی بے اختیار کلماتِ تحسین نکل جاتے ہیں۔

میدان میں جو پہنچے تو ہوا حشر یہ برپا لو آگئے وہ تھا ابھی تذکرہ جن کا
اللہ رے یہ صبرِ شہِ بے کس و تنہا فرزند مرے اور نہ غم دل کو ہو اصلاً
صدمہ یہ سہے جی پہ نہیں تاب کسی میں
یہ صبر اگر ہے تو حسین ابنِ علی میں

حضرت علی اکبر اس شان سے توحید باری کے بعد رجز خوانی فرماتے ہیں۔ کہ فوجِ شام میں آثار ایثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔

ہلچل ہوئی پیدا جو میانِ صفِ اعدا رہوار فلک سیر کو غازی نے اُڑایا
میدان میں کوئی دم کوئی ساعت نہیں ٹھہرا اک جست میں وہ برق سا انبوہ میں پہنچا
تیزی میں خجل اس نے کیا بادِ سحر کو
تلوار نے ظاہر کیا بجلی کے اثر کو

تیغ آزمائی

اعدا میں ہوا غل کہ غضب ہو گیا بھائی حیدر سے نہ کم جانیو اکبر کی لڑائی
تھا شور یہ برپا کہ قیامت نظر آئی بجلی کی چمک تیغ کے پرتو نے دکھائی
ہر سو شرر انداز ہوئی بجنبر دوں پر
اک برق بلا تھی کہ گری خیرہ سروں پر

تلوار کی صفائی

جب قلعۂ آہن سے جھلکتی نکل آئی غل تھا کہ وہ کندن سی دمکتی نکل آئی
بجلی تھی کہ بادل سے چمکتی نکل آئی کہسار کے دامن سے لچکتی نکل آئی
اٹھکھیلیاں کرتی جو وہ انبوہ سے نکل آئی
ثابت یہ ہُوا صاف پری کوہ سے نکل آئی

کیا زور چلے برقِ شرربار کے آگے کٹ جاتے تھے سب شیر کی تلوار کے آگے
سر کاٹ کے رکھ دیتی تھی سردار کے آگے بن جاتی تھی خونخوار جفاکار کے آگے
اسوار تو بیٹھا ہی رہا خانۂ زیں پر
یہ تھی ابھی مغفر پہ ابھی روئے زمیں پر

حضرت علی اکبر مصروف جنگ ہیں۔ جناب امام حسین اپنے فرزند کے کمالات فنون جنگ دیکھ کر دادِ شجاعت دیتے ہیں

واقعہ نگاری

کہتی تھیں پر اندوہ یہ بانوئے دل افگار معلوم نہیں کچھ خبرِ عرصۂ پیکار
حضرت انہیں فرماتے تھے غم کھاؤ نہ زنہار دیکھا ہے چلاتے اُسے تلوار پہ تلوار
گذری نہیں کچھ دیر کہ نظروں سے چھپا ہے
پیدل ہوئے پس یا تو رسالے پہ جھکا ہے

بانو سے یہ کہتے تھے ادھر سبطِ پیمبر واں[۱] نرغہ اعدا میں گھرے اکبرِ صفدر
تلواریں چمکنے لگیں کھنچنے لگے خنجر تازہ چمنِ زخم ہوا گل سے بدن پر

---

[۱] واں ۔ یاں ۔ وہاں یہاں ۔ کی جگہ اب متروک ہے

گھائل تن نازک ہوا تلوار کے نیچے
ثابت نہ رہا گل جو پڑا خار کے نیچے

ناگاہ فوج شام سے نعرۂ فتح بلند ہوتا ہے۔ حضرت امام سنتے ہیں۔ اور

مصوّری

مضطر طرف دشت گئے سیّد خوشخو　　دیکھا کہ ہیں ریتی پہ پڑے اکبر گلرو
زخمی کمر و صدر و بر و شانہ و بازو　　پرخوں ہے قبا گرد میں آلودہ ہیں گیسو
لب خشک ہے رُخ زرد ہے کملائے پڑے ہیں
ہمصورتِ گل خاک پہ مرجھائے پڑے ہیں

یارب چمن آرائے گلستانِ سخن ہو　　سرسبز نہالِ چمنستانِ سخن ہو
جو مصرع ہو شمشادِ خیابانِ سخن ہو　　جو شعر ہو شاخِ گل بستانِ سخن ہو
جو بند ہو صنعت کی نشانی نظر آئے
گلدستۂ گلزار معانی نظر آئے

مناقب حضرت علی اکبر

ہمشکل نبی کون جناب علی اکبر　　ہے جنکے سراپا سے عیاں شانِ پیمبر
پرنور وہی نورِ جلالت ہے جبیں پر　　شانہ پہ وہی سلسلۂ زلف معنبر
ابرو وہی آئینہ رخسار وہی ہے
اندازِ تبسّم وہی گفتار وہی ہے

سراپا لکھنے کے بعد شاعر حضرت علی اکبر کے واقعہ شہادت کی طرف متوجہ

ہوتا ہے اور کہتا ہے۔

احوالِ حرم درد مصیبت سے ردی ہے
تاراجیِ کنعان حسین ابنِ علی ہے

مرثیہ نگار پھر لکھتا ہے۔

مناقب حضرتِ علی اکبر

فرزند بھی ایسا کہ جو ہمشکلِ نبی ہو ہم شوکت و ہم شانِ رسولِ عربی ہو
پرنور جبیں آئینۂ خوش نسبی ہو مکی مدنی فاطمی و مطلبی ہو

ہمشکل ہو تمثالِ نبی جاہ و حشم میں
ثانی کوئی جس کا نہ عرب میں نہ عجم میں

حضرت علی اکبر جناب حسین سے اذن وغا مانگتے ہیں۔ حضرت کچھ دیر تامل فرماتے ہیں "انسان کا کچھ بس نہیں مرضئے خدا پر" اس کے بعد آپ حضرت علی اکبر کو لیکر حرم سرا میں تشریف لیجاتے ہیں

محاکات

ڈیوڑھی سے کھڑی دیکھتی تھی بانوئے[1] پر پیچھے شہِ بیکس کے نظر آئے جو اکبر
سینے میں دھڑکنے لگا دل ہو گئیں مضطر دیکھا کبھی اکبر کو کبھی جانبِ سرور

بولیں کہ یہ خالی تو نہ ساتھ آئے ہیں گھر میں
بابا کو سفارش کے لئے لائے ہیں گھر میں

---

[1] زوجہ حضرت امام حسین

درس تسلیم و رضا

حضرت نے کہا بانوئے مضطر سے کہ بانو
کچھ کہتا ہوں میں تم سے جو کہنا مرا مانو
جو مرضی خالق ہو مقدم اُسے جانو
بات اس کے سوا اور کوئی دل میں نہ ٹھانو
شیوہ ہے یہی صاحب تسلیم و رضا کا
انسان وہی ہے جو رضا جو ہے خدا کا

جناب امام حسین اپنے فرزند کا قصد ظاہر فرماتے ہیں اور سفارش کرتے ہیں کہ تم بھی انہیں اجازت دو

بانو نے سُنا جب یہ کلام جگر افگار
کہنے لگی وہ رنج و مصیبت کی گرفتار
مادر سے جو ہیں اذن وغا کے یہ طلبگار
ماں باپ کا حق کیا ہے یہی بادشہ ابرار
کس دل سے کہیں سینہ پہ یہ برچھیاں کھائیں
بابا کو غم آلودہ کریں ماں کو رلائیں

ماں کی محبت

مُنہ سے یہ سخن آپ نے کس طرح نکالا
اٹھارہ برس کیا اسی خاطر انہیں پالا
باعث مری راحت کا ہے یہ ای شہ والا
آنکھوں میں اسی نور نظر سے ہے اُجالا
یہ جائیں اُدھر ہم یہ کبھی کہ نہیں سکتے
سب رنج سہے پر یہ الم سہ نہیں سکتے

حضرت نے کہا خیر جو کچھ مرضی داور[1]
جانے دو انہیں اب طرف فوج ستمگر
خاموش رہیں سُنکے سے بانوئے مضطر
راضی ہوئیں ماں دل میں یہ سمجھے علی اکبر

---

[1] داور بمعنی خداوند

غنچے کی طرح کھل گئے پھولے نہ سمائے
تا دیر رہے پھر سرِ تسلیم جھکائے
پھر سر کو جھکائے ہوئے کہنے لگیں جاؤ — ماں باپ کو دن اپنی جدائی کے دکھاؤ
نازک سے کلیجے پہ سناں شوق سے کھاؤ — خوش ہو کے رہِ حق میں گلا اپنا کٹاؤ
اللہ کرے نیک سرانجام ہو بیٹا
یاں صبح ہوئی خلد میں اب شام ہو بیٹا

رخصت ہو کر حضرت علی اکبر جناب امام کی معیّت میں حرم سرا سے باہر تشریف لائے۔

واقعہ نگاری

بیٹے کی طرف دیکھ کے بولے شہِ ابرار — حافظ ہے خدا جاؤ سوئے عرصۂ پیکار
چمکار کے اس رخش کو غازی ہوئے اسوار — اڑنے کو ہوا ہمصفت طیّر وہ طیار
تکتے رہے حسرت سے شہِ دیں[1] سوئے اکبرؑ
آداب بجالا کے روانہ ہوئے اکبرؑ

حضرت علی اکبر میدان میں پہنچکر رجز خوانی کرتے ہیں۔ اس کے بعد جنگ شروع ہوتی ہے۔ حضرت علی اکبر کی معرکہ آرائی ملاحظہ ہو

تلوار کی تعریف

چلنے لگی تلوار سر اُڑنے لگے تن سے — افسردہ جدا ہونے لگی رُوح بدن سے
عاری ہوئے سب تیغ بہادر کے چلن سے — ہر عضو کو دو کرکے نکلنے لگی سن سے

[1] امام حسین سے مراد ہے۔

کٹ کٹ کے سب اجزائے بدن خاک بسر تھے
افتادہ کہیں پاؤں کہیں کاسۂ سر تھے
تیزی میں کبھی طرفِ سپر کاٹ کے نکلی
مغفر پہ گئی کاسۂ سر کاٹ کے نکلی
گردن سے جھکی قلب و جگر کاٹ کے نکلی
اتری جو وہاں سے تو کمر کاٹ کے نکلی
کیا برقِ شرر ریز رُکے خانہ زیں پر
بجلی کی طرح لوٹتی پھرتی تھی زمیں پر
بالائے سپر گاہ میانِ سر و تن تھی
گہ قاطعِ شیرازۂ اجزائے بدن تھی
لشکر کُش و آہن تن و شعلہ فگن تھی
خونخوار وش و کج روش و قلعہ شکن تھی
مُنہ زہر زباں قہر بدن آگ بھبھو کا
گھٹتا تھا جسے دیکھ کے دم فوج عدو کا
اونچا جو ہوا ہاتھ تو بالائے سپر تھی
مغفر پہ جو پہنچی تو میانِ تن و سر تھی
گردن سے جھکی متّصلِ قلب و جگر تھی
سینے سے جو دم لے کے چلی زیرِ کمر تھی
واں سے طرفِ خانۂ زیں برمحل آئی
کرتی ہوئی دو پیکر توسن نکل آئی

درد انگیز

پیاسے جو کئی دن سے تھے ہمشکلِ پیمبرؐ
تیزی کے سبب دھوپ کی از حد ہوئی مضطر
بیکل ہوئے گرمی سے تو حالت ہوئی ابتر
عطرِ گلِ رخسار سے رومال ہوا تر
دل جلنے لگا پیاس سے پہلوئے جگر میں
دنیا نظر آنے لگی تاریک نظر میں

ناگہ کسی ظالم کا لگا تیر قفا پر قابو نہ سنبھلنے کا رہا جھک گئے اکثر
بابا کو پکارا کہ خبر لیجئے آ کر مہماں یہ غلام آپ کا دنیا میں ہے دم بھر
جلدی سے قدم رنجہ ادھر کیجئے بابا
اب آخری دیدار دکھا دیجئے بابا

آئی یہ صدا کانوں میں حضرت کے جو ناگاہ بیتاب چلے گھر سے سوئے عرصہ جنگاہ
مونس نہ کوئی ساتھ نہ ہمدم کوئی ہمراہ ہمدرد تھے سوز جگری اور الم و آہ
رخ سے خلش درد و الم صاف عیاں تھی
گو لب پہ نہ نالہ تھا نہ فریاد فغاں تھی

غم فرزند

بیتاب و حزیں غمزدہ و مضطر و ششدر مقتل میں گئے متصل لاشہ اکبر
بسمل سے تڑپتے وہ نظر آئے زمیں پر زخموں سے تھے سر تا بقدم چور سراسر
دیکھا تو کہا تھام کے ہاتھوں سے جگر ہائے
پیری میں چھٹا ہم سے برابر کا پسر ہائے

پھر اسی عالم سوز و گداز میں آپ بے اختیار ہو کر فرماتے ہیں۔

کس وقت میں افسوس ہمیں چھوڑ گئے تم
بابا کی ضعیفی میں کمر توڑ گئے تم

اے طبع رسا اوجِ کمال آج دکھا دے　　　انداز سخن طرزِ مقال آج دکھا دے
اے شاہدِ مضمون خط و خال آج دکھا دے　　　اے یوسفِ نظم اپنا جمال آج دکھا دے
ہر دیدۂ مردم میں تری جلوہ گری ہے
پتلی میں بصارت ہے کہ شیشے میں پری ہو

حضرت علی اکبر حضور سرورِ کائنات سے بالکل مشابہ تھے۔ اس رعایت سے ایک بند ملاحظہ ہو۔

یہ خال یہ خط اور یہ رخسار یہ گیسو　　　یہ چشم نکو اور یہ جبیں اور یہ ابرو
یہ جلوہ رفتار یہ حسنِ قدِ دلجو　　　کچھ فرق نہیں شانِ پیمبر میں سرِ مو
شوکت وہی صولت وہی اعجاز وہی ہے
باتیں وہی لہجہ وہی انداز وہی ہے

زلف و عارض کی تعریف کے سلسلہ میں ایک بیت بہت خوب ہے۔
یہ زلف نہیں طور کی مشعل کا دھواں ہے
صبح شبِ معراج کا عارض پہ گماں ہے

لب و دنداں کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔
کیا صنع بشر صنع خدا داد بڑی ہے　　　وہ نور کا حلقہ ہے یہ موتی کی لڑی ہے
اسی سلسلۂ بیان میں ایک جگہ کہتے ہیں
کیا کیا رقم اوصاف ہوں ہمشکل[۱] نبی کے
پائے ہیں سب انداز رسول عربی کے

[۱] یعنی حضرت علی اکبر

سینہ کی تعریف اس طرح کرتے ہیں

انوارِ الٰہی سے یہ پُر نور ہے سینہ
عدل و کرم و جود سے معمور ہے سینہ

پھر کہتے ہیں۔

افراطِ ملاحت سے گلابی جو ورق ہے
سُرخی نہیں صبحِ شبِ اسریٰ کی شفق ہے

اس کے بعد واقعاتِ کربلا بیان کرتے ہیں۔ لکھا ہے۔ کہ جب صبحِ شہادت نمودار ہوئی اور لشکرِ غنیم کی طرف سے تیر باری شروع ہوگئی۔ تو سب سے پہلے انصارِ امام سر فروشانہ میدان میں اترے۔ اور دادِ شجاعت دے دے کر راہیِ ملکِ بقا ہوئے۔ حضرت مسلم عقیل کے جگر گوشوں کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرات عون و محمد درجہ شہادت سے فیضیاب ہوئے۔ اس کے بعد

جب حضرت عباس نے جنت کو بسایا — پیاسوں کے لئے نہر پہ خون اپنا بہایا
بھائی پہ تصدّق ہوئے شانوں کو لٹایا — تقدیر نے پھر باپ سے بیٹے کو چھڑایا

غل تھا حرمِ پاک میں اکبر کی ہے رخصت
اب یوسفِ کنعان پیمبر کی ہے رخصت

حضرت عبّاس درجہ شہادت حاصل کر چکے۔ اب حضرت کے ساتھ مردوں میں صرف دو فرزند حضرت علی اکبر اور جناب عابد باقی رہ گئے۔ لیکن جناب عابد صاحب فراشِ ہیں۔ حضرت امام اپنے عزیزوں اور

رفیقوں کی شہادت سے حد درجہ متاثر ہیں۔ ناگاہ فوجِ شام سے نعرۂ مبارز طلبی بلند ہوا۔ حضرت علی اکبر اذنِ وغا طلب کرتے ہیں۔ جناب امام فرماتے ہیں۔ کہ میری زبان سے کچھ نہ کہلاؤ۔ اگر اجازت لینا ہی ہے۔ تو اپنی ماں حضرت شہر بانو سے کہو۔ اسی سلسلہ میں پھر ارشاد کرتے ہیں۔

چاہت بڑی ماں باپ کو ہوتی ہے پسر کی
بیٹا نہ ہو برباد یہ دولت کسی گھر کی
قائم ہے اسی نور سے بینائی نظر کی
روشن اسی مہ پارے سے آنکھیں ہیں پدر کی
کیوں نورِ بصیرت نہ ہو یہ فضل خدا سے
آنکھیں ملیں یعقوب[1] کو یوسف[2] کی لقا سے

شہزادے نے کی عرض یہ با دیدۂ پرنم
سچ ہے کہ رضا مندئ مادر ہے مقدم
بے آپ کے فرمائے مگر یا شہِ عالم[2]
وہ جانے نہ دینگی طرفِ لشکرِ ظلم
جس طرح بھی ہوگا مجھے مجبور کرینگی
مرنا مرا ہرگز نہ وہ منظور کرینگی

فرمایا چلو سعی سے قاصر نہ رہیں گے
گو اشک کے دریا مری آنکھوں سے بہینگے
جز صبر نہ شکوے کا کوئی حرف کہینگے
بس اب یہی اک رنج ہے اس کو بھی سہینگے
سوچے تھے مری لاش کو دفناؤ گے اکبرؑ
کیا جانتے تھے پہلے تمہیں جاؤ گے اکبرؑ

[1] حضرت یعقوب ایک پیغمبر تھے۔ جن کے صاحبزادے حضرت یوسف تھے۔ اپنے فرزند کے جدا ہو جانے سے حضرت یعقوب اس درجہ روئے تھے کہ آنکھوں کی بصارت زائل ہو گئی تھی۔ ایک زمانہ کے بعد جب حضرت یوسف ملے۔ تو آپ کی آنکھوں کی بصارت بھی جیسی تھی ویسی ہو گئی [2] مراد حضرت امام حسین سے ہے

ماں کی محبّت

یہ کہہ کے ہوئے داخلِ خیمہ شہِ والا　　فرزند کی رخصت کا سخن منہ سے نکالا
سُنکر اسے بانو کا ہوا دل تہ و بالا　　ہر چند کیا ضبط طبیعت کو سنبھالا
پر رُک نہ سکیں دیکھ کے حسرت سے پسر کو
اک آہ بھری تھام کے ہاتھوں سے جگر کو

حضرت شہر بانو جناب امام حسین کی ہمشیر حضرت زینب کو مخاطب کر کے اس طرح کہتی ہیں۔

منصف ہو تمہیں ہم سے رضا لینے یہ آئیں　　بتلاؤ تو ہم داغِ الم ان کا اُٹھائیں
ہم انسے کہیں برچھیاں سینے پہ یہ کھائیں　　ہاں دفن مجھے کر لیں تو مرنے کو یہ جائیں
پوچھو تو عبث اذن نہ ملنے کا قلق ہے
خدمت ہی یہی باپ کی ماں کا یہی حق ہے

پھر فرماتی ہیں۔

صدمہ یہ اُٹھے حوصلہ ایسا نہیں صاحب
دل ماں کا ہی پتّھر کا کلیجا نہیں صاحب

جانا جو یہ اکبر ہوئے اب آنکھوں سے اوجھل　　اس غم میں دلِ مادرِ غمگیں ہوا بیکل
بس رونے لگیں چہرے پہ وہ ڈال کے آنچل　　کہنے لگیں کیونکر کہوں جاؤ سوئے مقتل
جب سے یہ سُنا حال شہِ[۱] جن و بشر سے
اک نشترِ غم تھا کہ ہوا پار جگر سے

۱؎ مراد حضرت امام حسین سے ہے۔

آخر کار جناب امام اور حضرت شہر بانو مجبور ہو کر اجازت دیتے ہیں۔

پائی جو رضا ان کی تو خوش ہو گئے اکبرؑ تسلیم کو مثل مہ نو جھک گئے بڑھ کر
بیٹے کی طرف دیکھ کے ماں ہو گئی مضطر کہنے لگیں بس بس مرے پیارے مرے دلبر
عجلت نہ کرو آخری رخصت ہے یہ بیٹا
دم بھر کی ملاقات غنیمت ہے یہ بیٹا

ڈیوڑھی پہ سواری تھی ادھر دیر سے حاضر تھے ساتھ جو اکبرؑ کے شہ[1] صابر و شاکر
کی عرض کہ کیا ہوتا ہے حکم اب مری خاطر حضرت نے کہا جاؤ خدا حافظ و ناصر
یہ خوشخبری سنتے ہی شاداں ہوئے اکبرؑ
تسلیم کی اور عازم میداں ہوئے اکبرؑ

حضرت علی اکبر رہوار سبک خرام پر سوار ہو کر میدان کارزار میں آئے۔ رجز خوانی کے بعد مصروف جنگ ہیں۔ تلوار کی صفائی ملاحظہ ہو

تلوار کی صفائی

گھنگور سی بادل میں چمک کر نکل آئی کوندی سر اعدا پہ لپک کر نکل آئی
الجھی جو زرہ میں تو جھجک کر نکل آئی تن سے صفت روح پھڑک کر نکل آئی
انبوہ سے یوں تیز یہ برق غضب آئی
حیرت میں تھے سب کب یہ گئی اور کب آئی

پھر پھر کے صفوں میں اسے مارا اسے مارا انبوہ میں سر جس نے ابھارا اسے مارا
جو سامنے آیا ستم آرا اسے مارا غازی نے کیا جس کو اشارا اسے مارا

[1] یعنی امام حسین علیہ السلام

تلوار کی تعریف

سفّاک سی مقتل میں گئی لے کے سر آئی　　سر تا بقدم خوں میں ستمگر کو بھر آئی
تن تن کے میان صفِ اشرار در آئی　　بڑھ کر اُسے مارا ادھر آئی اُدھر آئی
سرداروں کے سر خاک پہ گرتے نظر آئے
رُخ شامیوں کے خوف سے پھرتے نظر آئے

پیاسے جو کئی دن کے لڑے دھوپ میں اکبرؑ　　نکلا یہ پسینہ کہ قبا ہو گئی سب تر
صدمے سے عطش کے جگر و قلب تھے مضطر　　ہر بار پھراتے تھے زباں خشک لبوں پر
کہتے تھے کہ دنیا سے بس اب چلتے ہیں دم میں
یاں صبح ہوئی شام ہو گلزار ارم میں

حضرت علی اکبر نے دوسرا حملہ اس شان سے کیا۔ کہ

ہلچل تھی عجب طرح کی بیدادگروں میں　　بازارِ قضا گرم تھا بس خیرہ سروں میں
چھپتا تھا سوار آن کے پیدل کی پروں میں　　تن جلنے میں تھا شور لگی آگ گھروں میں
روحیں بھی پریشاں تھیں قالب سے نکل کر
سرداروں کے سر پاؤں پہ گرتے تھے اچھل کر

ناگاہ آپ مجروح ہو کر گر پڑتے ہیں۔ فوج شام سے فتح کا نعرہ بلند ہوتا ہے۔ حضرت امام فرزند کے قریب پہنچتے ہیں۔

بیتابی میں آگے جو بڑھے سبطِ پیمبرؐ　　اک نخل کے نیچے نظر آئے علی اکبر
دیکھا جو ہیں اک گھاؤ قیامت کا جگر پر　　بس دوڑ کے دلبند سے لپٹے شہِ صفدر
فرمایا ہم آئے ہیں کوئی بات تو کر لو

جاتے ہوئے بابا سے ملاقات تو کر لو

پھر خیمہ میں شہ اشک بہاتے ہوئے آئے　　داماں عبا سر سے اُڑھائے ہوئے آئے
فرزند کو چھاتی سے لگائے ہوئے آئے　　سر تا بقدم خون میں نہائے ہوئے آئے
مسند پہ لٹایا جو ہیں شبیرؑ نے لا کے
ماں غش ہوئی فرزند کو چھاتی سے لگا کے

تشفی

گو کوہ غم و رنج گرا شاہِ اُمم پر　　ہر دم تھی نظر آپ کی خالق کے کرم پر
آمادہ جو پایا سفرِ باغ ارم پر　　اسوار کیا خود فرس تیز قدم پر
تھا دھیان نہ اس کا کہ جدا ہوتے ہیں اکبرؑ
فرماتے تھے اب حق پہ فدا ہوتے ہیں اکبرؑ

حضرت امام حسین اپنے فرزند دلبند کو رخصت کرتے ہوئے بارگاہ احدیت میں حضرت علی اکبر کے متعلق عرض کرتے ہیں

کچھ فرق نہیں ہو وہی صورت وہی سیرت　　ہر ایک سے ہر دم ہے وہی خلق و محبت
لہجہ ہے وہی اور وہی باتوں میں فصاحت　　انداز وہی چلنے کا اور ہے وہی اقامت
کس لطف سے تصویر عنایت کی نبی کی
اٹھارہ برس اور زیارت کی نبی کی

لے یعنی حضرت علی اکبر

اک دن وہ تھا ایسا کیا فرزند عنایت اک دن یہ ہے درپیش ہے اس کا غم فرقت
جو خواہش تقدیر نہیں جائے شکایت حاضر ہے پئے نذر جو تیری ہے امانت
کس طرح فراموش سب احسان کروں میں
سو ایسے جو فرزند ہوں قربان کروں میں

حضرت علی اکبر میدان کارزار میں پہنچکر رجز خواں ہوتے ہیں

اتنے میں رجز پڑھنے لگے اکبر گلفام فرمایا فصاحت سے کہ اے قوم بدانجام
واقف ہو حسب اور نسب سے سپہ شام ہمنام علی ہوں علی اکبر ہے مرا نام
منظور بدل ہیں وہ جو احکام خدا ہیں
بابا ہیں حسین اور حسن میرے چچا ہیں

عمر سعد اپنی فوج کے ایک نامی پہلوان طارق کو حضرت علی اکبر کے مقابلہ پر روانہ کرتا ہے۔ پہلوان سامنے آکر رجز خوانی کرتا ہے۔ اور کہتا ہے کہ میدان سے پھر جاؤ مجھے تمہاری جوانی پر رحم آتا ہے۔

پایا اُسے اس سیف زبانی میں جو مشاق اُس دم متبسم ہوا شہزادۂ[۵۱] آفاق
فرمایا تجھے عمر دوروزہ ہوئی کیوں شاق دنیا کے لئے قعر سقر کا نہ ہو مشتاق
کیوں پردۂ غفلت ہیں پڑے ہوش پہ تیرے
رحم آتا ہے خود مجھ کو تن و توش پہ تیرے

طارق مارا جاتا ہے۔ اس کے بیٹے اور بھائی مقابلہ کے لئے نکلتے ہیں۔

۵۱ یعنی حضرت علی اکبر علیہ السلام۔

شانِ شجاعت

جب وارد میدان ہوئے آ آکے وہ غدّار
تائید الٰہی سے انہیں بھی کیا فی النّار
ظاہر میں صف آرا تھے ہزاروں ہی ستمگار
اتنوں میں نہ کوئی بھی ہوا عازم پیکار

گو معرکے شہزادے کو در پیش بڑے تھے
جنگاہ میں تولے ہوئے تلوار کھڑے تھے

معرکہ آرائی

ایک ایک نہ جب لڑسکا حضرت کے خلف سے
سب اہلِ ستم ٹوٹ پڑے چار طرف سے
پوتا تھا شجاعت میں نہ کم شاہ نجف سے
جولاں کیا رہوار اُدھر عز و شرف سے

رُوباہوں پہ جھپٹا صفتِ شیر وہ غازی
لڑتا رہا ہر ایک سے تا دیر وہ غازی

اک آن میں واں کشتوں کے پشتے نظر آئے
اکبر کی قدمبوسی کو کٹ کٹ کے سر آئے
بچکر نہ گئے لڑنے کو اعدا جدھر آئے
اور آپ ظفر یاب بصد کرّ و فر آئے

باقی نہ رہے حوصلے اُن کو ستموں کے
میداں سے قدم اُٹھ گئے ثابت قدموں کے

فرصت پاکر حضرت علی اکبر جناب امام حسین علیہ السلام کی خدمت میں فتحیاب حاضر ہوئے۔ پیاس سے آپ نیمجان ہو رہے تھے۔ یہی حال آپ نے بیان کیا۔ حضرت امام تسکین دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو کچھ اذیت ہے۔ وہ زندگی ہی تک ہے۔

سلہ یعنی حضرت علی علیہ السلام

یہ سُنکے سخن بہر وغا پھر ہوئے رخصت جولاں کیا گھوڑا سوئے جنگاہ بسرعت
دیکھا کہ شریروں کی اسی طرح ہے کثرت بھاگے ہوئے پھر جمع ہوئے ہیں پئے بدعت

حملہ کیا بیخوف و خطر عیش و فرح سے
مسمار صفوں کو کیا دادا کی طرح سے

آپ حضرت امام کو پکارتے ہیں۔ اور پھر انتہائے نقاہت کی وجہ سے گھوڑے کی پشت پر بیہوش ہو جاتے ہیں۔ گھوڑا اپنے آقا کو اس حال میں دیکھ کر صحرا کی طرف لے نکلا۔

یہ سنتے ہی حضرت ہوئے صحرا کو روانہ دل ایسا ہوا تیر حوادث کا نشانہ
کی چار طرف بڑھ کے نگہ مضطربانہ لیکن نظر آیا نہ وہ یکتائے زمانہ

فرماتے تھے کس دشت میں ای لختِ جگر ہو
کیا آئے نظر جبکہ نہاں نورِ نظر ہو

افسوس ہے کس درجہ پریشان تھے آقا دیکھے نہ کوئی باپ جواں بیٹے کا صدمہ
تھا نظروں میں سب تیرہ و تاریک زمانا تھا فرق بصارت میں غمِ نور نظر تھا

کہتے تھے تمہیں دیکھوں نہیں کیونکر علی اکبرؑ
افسوس کہاں ہو علی اکبرؑ علی اکبرؑ

الغرض تلاش کرتے ہوئے آپ فرزند کے قریب پہنچتے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کے آغوش میں فرزند کی رُوح پرواز کر جاتی ہے۔

حضرت علی اکبر جناب امام حسین علیہ السلام سے اجازتِ وغا حاصل کر کے میدان کارزار کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ اس طرف جناب امام صبر مجسم بنے ہوئے بارگاہِ احدیت میں ملتجی ہیں۔

اُٹھایا سر شہِ بیکس نے جانبِ افلاک ۔۔۔ یہ عرض کرنے لگے رو کے بادلِ صد چاک
گواہ کرتا ہوں میں تجھ کو اے خدائے پاک ۔۔۔ بہت ہے در پئے آزار فرقہ سفاک
وہ دیکھتا ہوں ستم جو ہر اک دکھاتا ہے
شبیہِ احمدِ مختار[1] مرنے جاتا ہے

واقعہ نگاری

کھڑے تھے سبط پیمبر تو اس طرف بیتاب ۔۔۔ رواں تھا جانبِ میدان وہ غیرتِ ماہتاب[2]
زبان خشک تو دل سوزِ تشنگی سے کباب ۔۔۔ یہ حال تھا کہ ہو جس طرح ماہیِ بے آب
مزہ حیات کا پاتے تھے جانفشانی میں
چلے تھے مرنے کو وہ آمدِ جوانی میں

حضرت علی اکبر میدان جنگ میں پہنچتے ہیں۔ مقابلہ شروع ہوتا ہے۔ تیغ آزمائی ملاحظہ ہو۔

تلوار کی تعریف

جھپٹ کے وار لگایا جسے ہوا فی النّار ۔۔۔ یہ قول دہار کا تھا بند ہو نہ خون کی دہار
عجیب اُس کا تھا اعجاز اور عجب اسرار ۔۔۔ وہ تیغ تیز ہوئی کوفیوں پہ آتشبار

---

[1] و [2] یعنی حضرت علی اکبر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھے۔

اس سلسلۂ بیان میں سپاہ شام کے متعلق کہتے ہیں۔

ہوئے یہ سرد نہ پانی بھی مرتے دم مانگا

ایک زبردست پہلوان حضرت علی اکبر سے مقابلہ کرنے کے لئے آیا۔

پہلے تیر سر کیا۔ جسے حضرت علی اکبر نے بکمال چابکدستی رد کیا۔

معرکہ آرائی

یہ حال دیکھ کے بھولا وہ تیر اندازی ۔۔۔ سناں کو تان کے جلدی بڑھا دیا تازی

قریب آ کے دکھانے لگا وہ جاں بازی ۔۔۔ خیال میں نہ اسے لائے اکبر غازی

شقی کے ردو بدل میں حواس کھونے لگے

سنے نہ دیکھے عجب جوڑ توڑ ہونے لگے

اٹھا کے خانۂ زیں سے جب اسکو دے مارا ۔۔۔ وہ کھائی چوٹ نہ تھامنے کے سوا چارا

روانہ قعر سقر کو ہوا ستم آرا ۔۔۔ جب اس کو مار چکے فوج شر کو للکارا

بنا دیا نہیں نہ بیفائدہ بگڑنے کو

جسے نہ جان ہو پیاری وہ آئے لڑنے کو

ایک اور بہادر مقابلہ کے لئے آتا ہے۔

غرض سوار ہوا وہ منگا کے جب گھوڑا ۔۔۔ طرف شبیہ پیمبر[۱] کے باگ کو موڑا

نہ دیر جانے میں کی اسپ کو کیا کوڑا ۔۔۔ قریب جاتے ہی خوف و خطر سے جی چھوڑا

وہ رعب داب تھا میداں میں شاہزادے کا

گذر سوار کا تھا اور نہ واں پیادے کا

[۱] یعنی حضرت علی اکبر

آخر کار وہ بھی نذرِ تیغ ہوا۔ لیکن شدّت تشنگی سے حضرت علی اکبرؑ کی حالت متغیر ہوتی جاتی ہے۔ اسی حالت میں ایک شقی کا تیر لگتا ہے۔ اور آپ مجروح ہو جاتے ہیں۔

اویس

واقعہ نگاری

وہ فکر رسا دے مجھے اے خالقِ اکبر وصفِ علی اکبر ہو ادا لطف سے یکسر
ہمشکل پیمبر شہِ کونین کا دلبر وہ حسن جسے دیکھکے خود حسن ہو ششدر

تو یا وہ بستانِ شہِ جن و بشر تھا
آباد اُسی سے شہِ مظلومؑ کا گھر تھا

اسی سلسلہ بیان میں کہتے ہیں کہ شقی القلب اعدا تبرِ ظلم سے اس نخل کو کاٹنا چاہتے ہیں جس سے گلزارِ امامت کی رونق وابستہ ہے۔

ہوتا ہے خزاں باغ رسُولِ عربی کا
مٹتا ہے مرقع کوئی ساعت میں نبی کا

بھیگی ہیں مسیں پوری ہوئی ہے نہ جوانی وہ نور کی صورت نہیں جس کا کوئی ثانی
جانِ شہِ دیں احمد مرسل کی نشانی ہیہات وہ لو قہر کی اور تشنہ دہانی

کس کو یہ خبر تھی کہ مقامِ اجل آیا
افسوس جوانی میں پیامِ اجل آیا

حضرت علی اکبر جناب امام حسین علیہ السلام سے جنگ کے لئے اجازت طلب کرتے ہیں۔ حضرت امام مجبور ہو کر فرماتے ہیں۔

شہ بولے جو مرضی ہے یہی اے میرے دلبر — لو پہلے رضا بانوئے مغموم سے جاکر
یہ سُنکے گیا خیمے میں وہ عاشق داور — دیکھا کہ ہے بیہوش پڑی بانوئے مضطر

شانے کو پکڑ کر علی اکبر نے ہلایا
ہوش آیا تو فرزند کو چھاتی سے لگایا

آمادہ تھا میدان میں جانے پہ وہ گلرو — کہتا تھا رضا رن کی دو اے مادر خوشخو
شبنم کی طرح تھے گل رخسار پہ آنسو — تکتی نگہ یاس سے اکبر کو تھی بانو

سکتے کا تھا عالم نہ بجا ہوش تھے اُسکے
اکبر کے تکلّم کی طرف گوش تھے اُس کے

تمام مخدرات عظام کو حضرت علی اکبر کے عزم جنگ کی خبر ہوئی۔ خیمہ میں یہ حال ہوا۔

نالاں تھا ہر اک دورئے ہمشکل نبی سے
بانو کو قلق ہوتا تھا رخصت طلبی سے

حضرت شہر بانو اپنے فرزند کو آمادۂ جنگ دیکھکر ہر چند روکنے کی کوشش کرتی ہیں۔ لیکن حضرت علی اکبر کا اصرار بڑھتا جاتا ہے۔ اسی سلسلہ مکالمہ میں حضرت شہر بانو فرماتی ہیں

اے اکبر ذی جاہ تو ہے آنکھ کا تارا — ماں باپ کی ہے عالم پیری کا سہارا
مرنا ترا کس طرح سے ہو دل کو گوارا — پر خواہش تقدیر سے کیا زور ہمارا

پھولو پھلو دنیا میں ہماری یہ دعا ہے

لیکن یہ نہیں خالق اکبر کی رضا ہے

ماں کی محبّت

میں کون ہوں مالک ہیں ابھی حضرت شبیر لو اُن سے رضا ان سے کرو جاکے یہ تقریر

ان باتوں سے پڑتے ہیں کلیجے پہ مرے تیر بیٹا نہیں دینے کی رضا مادر دلگیر

امید قوی ہے کہ رضا شہ بھی نہ دینگے

ہمشکل پیمبر کا وہ کب داغ سہینگے

حضرت شہربانو اپنے شوہر جناب امام حسین علیہ السلام کو بلاتی ہیں۔ اور اُن سے اپنا دردِ دل کہتی ہیں۔ حضرت امام حسین سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

راضی رہو تقدیر پہ یہ بات بڑی ہے

اب صبر ہی لازم کہ مصیبت کی گھڑی ہے

حضرت علی اکبر کو جناب زینب نے پرورش کیا تھا اس لئے فیصلہ یہ ہوا۔ کہ جو کچھ حضرت زینب کا ارشاد ہو۔ اس کی تعمیل کی جائے۔ حضرت علی اکبر پھوپھی کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔

جذبۂ ایثار و محبّت

اب ہے یہ تمنّا کہ فدا ہوں میں پدر پر قرباں کروں سر باپ کے قدموں پہ سراسر

کیا فدیۂ شبیر کے قابل نہیں اکبر واللہ ہے۔ مجھے آج کا دن عید سے بڑھکر

قربان اگر قبلۂ کونین پہ ہوں گا

کونین میں میں موردِ تحسین رہوں گا

حضرت زینب بھتیجے کو بہت کچھ سمجھاتی ہیں۔ لیکن حضرت علی اکبر عرض کرتے ہیں

دو رَن کی رضا دیر بہت ہوتی ہے امّاں   مضطر ہیں کھڑے خیمے کے در پر شہِ ذیشاں

بابا کا نہیں رنج گوارا کسی عنواں   شبیّر کے قدموں پہ فدا ہوں یہ ہے ارماں

غمگین نہ ہو وقت ہے تسلیم و رضا کا

دو رَن کی رضا کام ہے یہ راہ خدا کا

آخر مجبور ہو کر حضرت زینب نے بھی اجازت عطا فرما دی۔ حضرت علی اکبر اسلحہ سے آراستہ ہوئے اور باہر تشریف لا کر دیکھتے ہیں کہ جناب امام مغموم کھڑے ہیں۔ ریشِ مبارک آنسوؤں سے تر ہو گئی ہے۔ آپ بے اختیار باپ سے لپٹ جاتے ہیں۔

شوقِ شہادت

پھر غرض یہ کی اے پسرِ ساقیٔ کوثر[1]   اے رَن کی اجازت تو مجھے دے چکیں مادر

رخصت کریں حضرت بھی پئے روحِ پیمبرؐ   مولا کرو آزاد غلام اپنا سمجھ کر

جو شوقِ شہادت نہیں کچھ اور ہوس ہے

دنیا میں فقط عمرِ رواں چند نفس ہے

حضرت علی اکبر جناب امام سے رخصت ہو کر میدانِ کارزار میں پہنچے اور جنگ شروع ہوئی۔ حضرت علی اکبر کی تلوار کے جوہر ملاحظہ ہوں۔

تلوار کی تعریف

چمکی صفت برق جو شمشیر شرر بار   پر جلنے لگے طائر جاں کے دم پیکار

لاشیں گریں لاشوں پہ سروں کے ہوئے انبار   دشمن کے لئے موت کا پیغام تھا ہر وار

[1] ساقی کوثر حضرت علی سے مراد ہے

نے[1] ایک میں رکتی تھی نہ وہ دس میں نہ سو میں
تلوار کے ہمراہ اجل جاتی تھی رو میں

تلوار کی صفائی

سر پہ جو پڑی تنگ کے نیچے اُتر آئی
مانند نفس کے کبھی سینے میں در آئی
بجلی کی طرح گاہ چھپی گہ نظر آئی
ہر صف کو قلم کر کے وہ تیغ دو سر آئی
گہ رن میں صف میسرہ وہ کاٹ کے نکلی
اور میمنہ کا گاہ لہو چاٹ کے نکلی

تلوار کی تعریف کے سلسلہ میں ایک بیت نہایت خوب ہے۔

اسوار کو جنبش نہوئی خانہ زیں میں
دو ٹکڑے فرس کو کیا در آئی زمیں میں

دبیر

واقعہ نگاری

وہ دشت ستم اور وہ پریشانی مولا[2]
اکبر سے ضعیفی میں جدا جب ہوئے آقا
اسباب لٹا ہستی شبیر کا کیا کیا
آرام جگر نور بصر قوت اعضا
دو مرتبہ عمامہ گرا دشت ستم میں
پہلے غم عباس میں پھر بیٹے کے غم میں

[1] یعنی صحرائے کربلا۔ [2] مراد حضرت امام حسین سے ہے۔

یہاں سے حضرت علی اکبر کا واقعۂ شہادت بیان ہوتا ہے۔ حضرت علی اکبر جناب امام سے اذنِ وغا طلب کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

رستہ سفرِ مرگ کا باریک ہے بابا
جانے دو ابھی قافلہ نزدیک ہے بابا

حضرت امام جب مجبور ہو جاتے ہیں۔ تو حضرت علی اکبر کو حرم سرا میں اپنے ساتھ لیجاتے ہیں۔ گھر ماتم کدہ بنا ہوا ہے۔ حضرت زینب اپنے فرزندوں کی شہادت سے تصویرِ غم بنگئی ہیں۔ جناب امام اپنے فرزند سے کہتے ہیں۔

واقعہ نگاری

ماں کا غم اولاد سے ہو جاتا ہے یہ حال — دیکھو تو یہ زینب کے ذرا خاک بھرے بال
بانو ہے ضعیف اور تمہیں اٹھارھواں ہی سال — اس بی بی کے سات آٹھ برس کے موئے دو لال

یہاں ہے یہ زینب ہے یہ تم ہو یہ حرم ہیں
جو سب کہیں راضی اسی اک بات پہ ہم ہیں

حضرت علی اکبر اپنی والدہ سے اذنِ جنگ طلب کرتے ہیں۔ ماں انکار فرماتے ہوئے کہتی ہیں۔ کہ بیٹا تم صاحب اولاد نہیں۔ اس لئے تمہیں کیا معلوم کہ اولاد کا غم و درد کیا چیز ہوتا ہے۔

خواہانِ سفارش تھے[1] جو یہ بولی وہ دکھیا[2] — زینب کی طرف اکبرِ مظلوم نے دیکھا
رخصت کی سفارش کروں یہ دھیان ہی بیجا — سچ کہتی ہے ماں میری طرف دیکھتے ہو کیا

بھائی کا نشاں نام برادر کا مٹا دوں
ماں تم کو رضا دے تو نہیں تم کو رضا دوں

بڑی دقّتوں کے بعد حضرت علی اکبر کو اجازت ملتی ہے۔

غم فرزند

القصّہ چلا اَن کو وہ یکتائے زمانہ — یاد آگیا یوسف کی جُدائی کا فسانہ
دل شہ کا ہوا تیرِ جُدائی کا نشانہ — یہاں دل تھا روانہ اُدھر اکبر تھے روانہ

تصویرِ غم و درد سراپا ہوئے شبّیر
غل پڑ گیا بیکس ہوئے تنہا ہوئے شبّیر

جناب امام نے فرزند کو گھوڑے پر خود سوار کرایا۔ جذبۂ محبّت کا یہ عالم تھا کہ آپ اپنے بیٹے کے ہمراہ چلے جا رہے تھے۔ لیکن

فرزند کی خاطر سے ٹھہر جاتے تھے شبّیر
اکبر جو قسم دیتے تھے پھر آتے تھے شبّیر

حضرت علی اکبر میدانِ جنگ میں پہنچتے ہیں۔ عمر ابن سعد فوج کا دل بڑھاتا ہے۔ اور کہتا ہے تین دن سے انہیں پانی نہیں ملا۔ ان کا قتل کرنا کیا بڑی بات ہے۔

اندازِ بیان

یہ سنتے ہی اکبر کو ستمگاروں نے گھیرا — تیغوں سے اُجالا ہوا ڈھالوں سے اندھیرا
کچھ ہاتھ پہ اکبر نے پڑھا چہرے پہ پھیرا — حق سے کہا اک توہی نگہبان ہے میرا

یہ کہہ میاں سے تلوار لی اور کاندھے سے بھالا
ہاتف نے کہا اَیَّدَکَ اللہُ تعالیٰ

حضرت علی اکبر فوج کا ستھراؤ کر دیتے ہیں۔ لیکن خود بھی زخم کھاتے جاتے ہیں۔ یہانتک کہ شدّتِ تشنگی سے نڈھال ہو جاتے ہیں۔ اسی حالت میں آپ

پر حملوں کی بوچھاڑ ہو جاتی ہے۔ آپ فرشِ خاک پر گر پڑتے ہیں۔ جناب امام کو فرزند کا یہ حال معلوم ہوتا ہے۔ آپ بیٹے کے قریب پہنچتے ہیں۔ اور انہیں کسی نہ کسی طرح حرم سرا میں لے آتے ہیں۔ یہاں پہلے ہی سے ہنگامہ ماتم برپا ہے۔

اکبر کو فزوں ضعف تھا اور تشنہ دہانی بند آنکھیں تھیں ہو قوف تھی نبضوں کی روانی
پرماں نے پکارا جو بہت اے مرے جانی مُنہ کھول دیا اور کہا اے والدہ پانی
پانی تھا کہاں سب کا جگر ہو گیا پانی
ماں باپ کا زینب کا جگر ہو گیا پانی

حضرت علی اکبر بالکل حضورِ سرورِ کائنات سے مشابہ تھے۔ اس رعایت سے مرثیہ نگار کہتا ہے

مناقبِ حضرتِ علی اکبر

ہے آئینہ نورِ خدا روئے پیمبرؐ اور آئینہ روئے نبی ہے رُخِ اکبر
اس نور کو لیکن متفرق کہوں کیونکر جو جلوہ وہاں ہے وہ یہاں بھی ہے مقرر
یہ اُس سے جدا ہے نہ نبی اُس سے جُدا ہے
اِک جان دو قالب اُنہیں کہیئے تو بجا ہے

واقعہ نگاری

یہ حادثہ شبّیر پہ ہے چرخ نے ڈالا اکبر سے جدا ہوتے ہیں اب عبیدؑ والا[۵]
بچپن سے جسے شاہ نے آغوش میں پالا مرنے کے لیے جاتا ہے وہ گیسوؤں والا

---

[۵] حضرت امام حسین سے مراد ہے

ناشاد ہے بن بیا ہا ہے ارمان بھرا ہے
اور دوسرے ہمشکل رسولِ دوسرا ہے

کیونکر نہ کرے دین دل اشک فشانی — مولاؑ کی ضعیفی علی اکبرؑ کی جوانی
فریاد کہ اُٹھتی ہے محمدؐ کی نشانی — اب کوئی زمانے میں نہیں احمدؐ ثانی

عبّاس کو شہ رو چکے اب داغِ پسر ہے
اب دردِ کمر بھول گئے دردِ جگر ہے

عبّاس کا لاشا تو لبِ نہر پڑا ہے — قاسم کا بھی مردہ نہیں مقتل میں گرا ہے
غم فاطمہ کے لال پہ اس وقت پڑا ہے — ہمشکلِ نبی باندھے ہوئے ہاتھ کھڑا ہے

اکبر کی طرف دیکھ کے جی کھوتے ہیں شبیر
پکڑے ہوئے ہاتھوں سے کمر روتے ہیں شبیر

حضرت علی اکبر جناب امام حسین سے اذنِ وغا طلب کرتے ہیں۔ جناب امام کچھ ایسی دردناک باتیں کرتے ہیں۔ کہ

ان باتوں سے اکبر پہ بھی رقت ہوئی طاری — جس طرح کوئی دردرسیدہ کرے زاری
کی عرض بجا آپ کی تقریر ہے ساری — پر ہے یہ یقیں زیست یہیں تک تھی ہماری

مجبور ہوئے شاہ تو اکبر کو رضا دی
سب بولے کہ لو صابروں کی شان دکھا دی

اجازتِ جنگ حاصل کرنے کے بعد خیمہ حرم میں داخل ہوتے ہیں۔ جہاں مخدراتِ عظام مغموم بیٹھی ہیں۔ آپ کو مسلح دیکھ کر ان کی پریشانی اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

کیا نور تھا ہمصورت محبوب خدا[1] کا
ہر ذرہ ضیا بار ہوا دشت بلا[2] کا

تاثیر بیاں

اٹھارھواں تو سال ہے اور عین جوانی ہے بھوک قیامت تو غضب تشنہ دہانی
وہ شکل کہ جسکا نہیں آفاق میں ثانی تھا صورت و سیرت میں احمد کی نشانی

اس چاندسی تصویر کو اور خاک کو دیکھو
دیکھو انہیں اور گردشِ افلاک کو دیکھو

ندرتِ استعارہ

قامت نہیں شبیر کا یہ نخل دُعا ہے سرسبز یہ ابر کرم حق سے ہوا ہے
کب سرو میں اس قد کے برابر سر پا ہے یہ توشہ مظلوم[1] کی پیری کا عصا ہے

یہ قد ہوا پامال تو یاد نہ رہے گا
شبیر کو جینے کا سہارا نہ رہے گا

الغرض حضرت علی اکبر میدانِ کارزار میں پہنچے۔ اور خوب دادِ شجاعت دی آخر کار خود بھی مجروح ہو کر گر پڑے۔ جناب امام حسین بیٹے کی آواز سُنکر قریب پہنچے اور مجروح بیٹے کو خیمہ میں لائے۔ یہاں پہنچکر حضرت علی اکبر کی روح پُر فتوح ملاءِ اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ حرم سرا ماتم کدہ بن گئی

---

[1] یعنی حضرت علی اکبر [2] عموماً کربلا کو دشتِ بلا بھی کہتے ہیں۔

واقعہ نگاری

بادل کی طرح رن میں عدو چھائے ہوئے ہیں
مولا[1] سر تسلیم کو نیوڑھائے ہوئے ہیں
اسوقت حرم خیمہ میں گھبرائے ہوئے ہیں
ہمشکل[2] نبی بہرِ وداع آئے ہوئے ہیں
عباس کے ماتم کو تو موقوف کیا ہے
اس چاند کو ہالہ کی طرح گھیر لیا ہے

یہ بزم ہے گلدستہ بہشتوں کے چمن کا
لازم ہے یہاں وصف گل شاہِ[3] زمن کا
اکبر جو ہے دلبند شہِ قلعہ شکن[4] کا
آغاز جوانی میں وہ مشتاق ہے رن کا
اب بیکس و بے یار حسین ابن علی ہے
اکبر کی سواری سوئے جنگاہ[5] چلی ہے

مصوّری

اکبر کی ہر اک بات پہ تھراتی ہے بانو[6]
ماتھے پہ شکن دیکھکے غش کھاتی ہے بانو
کچھ سوچنے لگتے ہیں تو گھبراتی ہے بانو
مڑتے ہیں جو رن کو تو موئی جاتی ہے بانو
ایک ہاتھ کلیجے پہ دھرے ایک جبیں پر
آنکھوں کو جھکائے ہوئے بیٹھی ہے زمیں پر

حضرت علی اکبر ماں سے اذن وغا طلب کرتے ہیں۔ حضرت شہر بانو یعنی والدۂ حضرت علی اکبر کسی طرح اجازت نہیں دیتیں۔ کبھی فرماتی ہیں کہ بیٹا تمہیں

---

[1] یعنی حضرت امام حسین [2] یعنی حضرت علی اکبر [3] مراد علی اکبر سے ہے۔
[4] مراد امام حسین سے ہے۔ [5] یہاں چلی ہے سے چل چکی نہیں۔ بلکہ چلنے والی مراد ہے۔ یہ ایک انداز بیاں ہے۔ [6] زوجہ حضرت امام حسین اور والدہ حضرت علی اکبر

اٹھارہ سال پالا ہے۔ کیا ہمارا کچھ حق نہیں۔ کبھی فرماتی ہیں کہ ماں باپ کی محبت کی تمہیں کیا خبر ہے۔ تم بن بیاہے ہو۔ اگر صاحبِ اولاد ہوتے۔ تو ہمارے درد کو سمجھ سکتے۔

انقلابِ زمانہ

اکبر نے یہ کی عرض کہ اس غم کا سبب کیا
بستے بھی ہیں لٹتے بھی ہیں گھر اس پہ عجب کیا

ہم تو ہیں پُر ارمان ازل عیش و طرب کیا
فرمایئے دنیا میں شجر پھلتے ہیں سب کیا

کیا آپ نے تقدیر کو پھرتے نہیں دیکھا
بجلی کو کسی باغ پہ گرتے نہیں دیکھا

آخر بصد مشکل حضرت شہربانو نے اجازت دی۔ حضرت علی اکبر اسلحہ طلب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دیکھئے پھوپھی اماں (حضرت زینب) کو خبر نہ ہو۔ حضرت زینب کو حضرت علی اکبر کی چھوٹی بہن سکینہ" کی زبانی یہ سب حال معلوم ہوا۔ آپ نے حضرت علی اکبر کو بیٹوں کی طرح پرورش کیا تھا۔ آپ کو یہ صدمہ ہوا۔ کہ حضرت علی اکبر نے اُن سے پوچھا تک نہیں۔ مرزا صاحب نے اس واقعہ کو نظم کرنے میں بڑا زورِ قلم صرف کیا ہے۔ لیکن یہ مان لینے کے بعد بھی کہ حضرت زینب کو بھتیجے کا یہ برتاؤ ناگوار گذرا۔ یہ کسی طرح باور نہیں ہوتا۔ کہ حضرت زینب جیسی محترم باوقار خاتون ایک معمولی سی بات پر طعن وطنز کا دریا بہا دیں۔ خصوصًا ایسے موقعہ پر کہ بھتیجا جان دینے کے لئے قتلگاہ میں جارہا ہو۔ اس کے ماسوا خود بھتیجے کا رویہ بھی بر بنائے خلوص تھا۔ وہ جانتے تھے کہ حضرت زینب ان سے کس درجہ محبت کرتی ہیں۔ کچھ بند محض شعری خصوصیات کی وجہ سے رکھ لئے ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

اکبر کے سنانے کو وہ کہتی ہے زباں سے اے عون و محمد تمہیں میں لاؤں کہاں سے
جو کام کیا پوچھئے مجھ سوختہ جاں سے اب قدر ہوئی پیاروں کی جب چھٹ گئے ماں سے
کیا جان کے دم بھرتی ہیں ہمشکل نبی کا
سب کہنے کی باتیں ہیں نہیں کوئی کسی کا

طنزیہ

پاس آ کے کہا زینب بیکس نے بدقت لو بھائی یہ ملبوس یہ اکبر کی امانت
بچپن کے بھی کرتے ہیں جو انی کی بھی خلعت اللہ مبارک کرے اب تم کو یہ خلعت
تم والدہ ان کی ہو پسر سر بہ زمیں ہیں
یہ آج کھلا ہم کوئی اکبر کے نہیں ہیں

حضرت علی اکبر پھوپھی سے لپٹ جاتے ہیں۔ اور عذر و معذرت کرتے ہیں۔

ہٹ ہٹ کے وہ بولی کہ نہ یہ ذکر نکالو دم رکتا ہے یا ہیں نہ گلے میں مرے ڈالو
ماں بیٹھی ہے وہ جاؤ گلے اسکو لگالو بانو کی خوشامد کرو مرنے کی رضا لو
میں پیار نہیں کرتی ہیں قربان نہیں ہوتی
جاؤ میں تمہاری پھوپھی اماں نہیں ہوتی

جیتے رہیں بھائی وہ ہیں حقدار تمہاری ہیں کا ہیکو ہونے لگی مختار تمہاری
جاؤ نہ سواری تو ہے تیار تمہاری یوں مجھ سے نظر پھر گئی اک بار تمہاری
کس سے کہوں کیا خون جگر پیتی ہوں ہی ہے
دل پر تو چھری چل گئی اور جیتی ہوں ہی ہے

زینب نے بہت آپ کو اکبر سے چھڑایا اکبر نے انہیں منت و زاری سے منایا
آنسو جو تھمے مطلب دل اپنا سُنایا زینب نے کہا لو وہی مذکور پھر آیا

میں سمجھتی تھی ناشاد کو اب شاد کروگے
سچ مچ علی اکبر مجھے برباد کروگے

بھتیجے کی محبت

میں تیغ سے کٹتے یہ گلا دیکھ سکونگی؟ جو سُن نہیں سکتی وہ بھلا دیکھ سکونگی؟
اس چاند سے منکے کو ڈھلا دیکھ سکونگی؟ اس باغ پہ بارانِ بلا دیکھ سکونگی؟

آنسو مرے پونچھے تھے تو رُلوانے کی خاطر
کیوں لال یہ ملتا تھا بچھڑ جانے کی خاطر

الغرض حضرت علی اکبر سب سے رخصت ہو کر جنگاہ میں تشریف لائے جنگ شروع ہوئی۔ تلوار میاں سے نکالنے کے موقع پر ایک بیت اچھی کہی ہے۔

وہ میاں سے شمشیر شجاعت نکل آئی
لو زائچہ سے جنگ کی ساعت نکل آئی

حضرت علی اکبر فوجِ شام کو مخاطب کرکے اس کی بزدلی کا بیان کرتے ہیں

یہ سُنکے عرق ناصیۂ فوج پر آیا
ہر قطرہ سمندر کی طرح موج پر آیا

عمر ابن سعد چند نامی پہلوان الیکر حضرت علی اکبر کے مقابلہ پر پہنچتا ہے۔ لیکن سب آپ کے مقابلہ میں پہنچکر لقمہ نہنگ قضا ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد عام جنگ شروع ہو جاتی ہے۔ حضرت علی اکبر لاشوں سے میدان کارزار

بھر دیتے ہیں۔

لڑتے تھے کہ آواز دی مادر کی سُنائی
بیساختہ گردن طرف خیمہ پھرائی
گھبرا کے کہا کیا مری اماں نکل آئی
جو سینہ پہ برچھی کسی ظالم نے لگائی
قسمت میں عجب قہر کی برچھی کا پھل آیا
نیزہ جو نکالا تو کلیجہ نکل آیا

میر عشق

شکرِ خدا کہ عجز میں ہم لاجواب ہیں
پیری غرور کی ہیں ادب کا شباب ہیں
ذروں کا جس کو پاس ہے وہ آفتاب ہیں
کیونکر نہ ہو کہ خاکِ درِ بوتراب ہیں
تکلیف سر اُٹھا کے نہ دیں خار کی طرح
دشمن سے جھک کے ملتے ہیں تلوار کی طرح

اس کے بعد اصل واقعہ یعنی شہادت حضرت علی اکبر کا بیان شروع ہوتا ہے۔ صبح عاشور طلوع ہوتی ہے۔ جناب امام حسین علیہ السّلام اپنے دلبند حضرت علی اکبر کو طلب کرتے ہیں۔ آپ حاضر ہوتے ہیں۔

ذوقِ عبادت

فرزند نے کمال ادب سے کیا سلام
جیتے رہو یہ پیار سے بولے شہ انام
اکبر بس آج ختم ہوئے لطف صبح و شام
جلدی اذان کہو شب رحلت ہوئی تمام

ہو عاقبت بخیر خدا سے دُعا کریں
لشکر کو حکم دو کہ نمازیں ادا کریں

حضرت علی اکبر اذان دیتے ہیں۔ نمودِ صبح کے متعلق ایک بیت نہایت عمدہ ہے۔

گلدستہ نجوم فلک سے اُتر گئے
کچھ کچھ نسیم چل گئی دریا ٹھہر گئے

ناموس حسینی میں حضرت علی اکبر کی خوش گلوئی کا ذکر ہوتا ہے۔

سُن لو شبیہ احمدِ مختار کی اذاں ماں بولی آہ بکیس و ناچار کی اذان
کیا خوب ہے حسین کے دلدار کی اذان مقبول ہے مصلّی غفار کی اذان
اس تشنگی وضعف اس انداز پر فدا
پیاسے کی کانپتی ہوئی آواز پر فدا

فریضہ سحری سے فارغ ہو کر جناب امام کپڑے طلب کرتے ہیں

پہنے امام دیں کے گلوں نے کفن سفید شہ نے کیا جو زیب بدن پیرہن سفید
تھا سروہائے باغ نبی کا چمن سفید تھے جسم پھول سے صفت یاسمن سفید
کیا نور تھا نظر جو سوئے فوجِ شہ گئی
گویا سحر سبھوں سے گلے مل کے رہ گئی

حضرت شہر بانو اپنے فرزند حضرت علی اکبر کو علیحدہ لیجا کر دریافت فرماتی ہیں۔ کہ آخر کیا سبب ہے۔ کہ حضرت زینب بہت بیقرار ہیں۔ اور جناب امام اسلحہ زیب جسم فرماتے ہیں۔ حضرت علی اکبر اشارہ کے طور کہتے ہیں کہ جنگ یقینی ہے۔ اسی

سلسلہ میں ماں کی خدمت عرض کرتے ہیں

باہر ہوئے تھے جلوہ نماشب گو سرنگوں
انصار سے کہا کہ یہ ہنگام ہے زبوں

جانا ہو جسکو جائے کہ ہونگا میں غرقِ خوں
مجھ کو کفن ملے نہ ملے دفن ہوں نہ ہوں

بے گھر لٹے ہوئے نہیں سامان چین کا

کل سر کٹے گا راہِ خدا میں حسین کا

اُٹھا یہ سنکے قلب جو عصمت پناہ کا
بولیں کہ ہے یہ حال محمدؐ کے ماہ کا

لٹتا ہے تاج و تخت مرے بادشاہ کا
والی چلا جہان سے مجھ بے گناہ کا

اب دلبر بتول سے چھٹنے کا طور ہے

اے میرے لال یہ کہو لٹنے کا طور ہے

حضرت شہربانو فرزند سے کہتی ہیں۔ کہ میں جناب امام کو جنگاہ میں نہ جانے دونگی۔ حضرت علی اکبر کہتے ہیں۔ کہ ایسا نہ کیجیئے۔ اللہ کی مرضی پر شاکر رہنا چاہیئے حضرت شہربانو خاموش ہو جاتی ہیں۔ جناب امام باہر تشریف لاتے ہیں۔ اور عازم جنگاہ ہیں۔

واقعہ نگاری

اونچا ہوا نشان فلک پر حنیا چلی
تیروں کو ساتھ لیکے ادھر سے قضا چلی

سوئے بہشت فوجِ شہِ کربلا چلی
بجھنے لگے چراغ کچھ ایسی ہوا چلی

رن میں خزانِ باغ نہالِ بتول تھی

ہنگام عصر نوبت آلِ رسول تھی

مسلم کے پھول خون میں جب لال ہو گئے
بیجان بنتِ فاطمہ کے لال ہو گئے

قاسم عجیب ظلم سے پامال ہو گئے
مغموم پادشاہ خوش اقبال ہو گئے
بازو کٹے لہو میں علمدار بھر چکے
ٹوٹی کمر کہ حضرت عباس مر چکے

دردا لگا جو تیر گلوئے صغیرؑ پر
غم کا گرا فلک شہ گردوں سریر پر
اکبر نے بڑھ کے ہاتھ دھرا زخم تیر پر
تھا نزع میں قلق دلِ ماہِ منیر پر
بھائی کی نبض ہو کے جو خم دیکھنے لگے
اکبرؑ کا منہ امام اُمم دیکھنے لگے

حضرت علی اکبر باپ کے صدمات پیہم اُن کی بیکسی و مظلومی بھائیوں کی مفارقت بزرگوں کی شہادت سے حد درجہ متاثر ہو کر جناب امام کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ مجھے اب اجازتِ جنگ عطا فرمائیں۔ حضرت بہت منع فرماتے ہیں لیکن حضرت علی اکبر کا اصرار بڑھتا گیا۔ آخر کار مجبوراً اجازت دی جاتی ہے۔ حضرت علی اکبر خیمۂ ناموس میں پہنچکر سب سے رخصت ہوتے ہیں۔ اور باہر آکر میدان جنگ میں تشریف لے جاتے ہیں۔

اے پیر چرخ اپنے سخن کا شباب ہے
پیشِ نظر شبیہ رسالت مآب ہے
ذرہ سے بھی کم آج ترا آفتاب ہے
تیرے ستم سے دل کو بڑا اضطراب ہے
پیدا ہوئے ہیں نور کے مضمون جبر سے
کیا کیا نفیس چاند نکلنے ہیں ابر سے

لہ مراد حضرت علی اصغر سے ہے۔ جو حضرت علی اکبر کے شیر خوار بھائی تھے۔ اور میدان کربلا میں کسی سفاک کے تیر کا نشانہ ہوئے۔

جناب علی اکبر اتمام حجت کے طور پر نصائح فرماتے ہیں، لیکن فوجِ شام جنگ پر آمادہ ہے۔ رجز خوانی ختم کرنے کے بعد جناب علی اکبر فوج شام کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔

جرأت ہی دیکھنا ہے تو لو خبر ہوشیار ۔۔۔ یہ کہہ کے شہسوار[1] علی نے کیا جو وار
بس ایک ایک پیک اجل سے ہوا دوچار ۔۔۔ برقِ حسام تھی نگہِ قہرِ کردگار
تھرّا کے گر پڑی رُخِ اشرار مڑ گئے
آنکھیں جو بند ہو گئیں سر تن سے اڑ گئے

حضرتِ علی اکبر مصروفِ وغا تھے، ناگاہ جناب امام حسین کی طرف مڑ کر دیکھا۔ جناب امام در خیمہ کے قریب بیٹے کی تیغ آزمائی دیکھ رہے تھے۔ حضرت علی اکبر شدّت تشنگی کا حال مختصراً عرض کرتے ہیں۔ یہ سنکر

بیتاب قلبِ سیّد ابرار ہو گیا ۔۔۔ حیران ابنِ حیدرِ کرّار ہو گیا
زخمی وہاں حسینؑ کا دلدار ہو گیا ۔۔۔ دردا جگر سے نیزۂ کیں پار ہو گیا
وہ چاند جو لہو میں سراپا نہا گیا
آنکھوں میں شاہِ دیں کی اندھیرا سا چھا گیا

حضرت علی اکبر غش کھا کر گر پڑتے ہیں۔ جناب امام حسین فرزند کے پاس پہنچتے ہیں۔

مصوّری

کیا دیکھتے ہیں شہ علی اکبر تڑپتے ہیں ۔۔۔ منھ چاند سا دھرے ہیں زمیں پہ تڑپتے ہیں

---

[1] یعنی حضرت علی اکبر

زیرِ شجر شبیہِ پیمبر تڑپتے ہیں　　رہ رہ کے صورتِ دلِ مضطر تڑپتے ہیں
حسرت سے جان دیتے ہیں عین شباب ہیں
زلفیں سیاہ لوٹتی ہیں اضطراب ہیں
حضرت علی اکبر کچھ کلمات درد کہتے ہیں

عالمِ نزع

کہتے کچھ اور مُنہ نہ کھلا جی پہ آ بنی　　افسوس رنگ زرد ہوا چھائی مُردنی
وہ کرب وہ تڑپ وہ پسینا وہ جاں کنی　　لب خشک دل میں نیزۂ بیداد کی انی
کیا کیا دعائیں سبطِ نبی دم کیا کئے
رہ رہ کے ہچکیاں علی اکبر لیا کئے

میدانِ کربلا میں جناب امام حسین علیہ السّلام کے تمام عزیز و رفیق جامِ شہادت نوش کر چکے۔ شاعر اس واقعہ کے سلسلہ بیان میں اس طرح کہتا ہے۔ کہ

نہ تو غنچہ نہ پھول باقی تھے
ہاں شبیہِ رسول باقی تھے

شاعر پھر کہتا ہے

چمن اُجڑا کہاں گلوں کی باس[لے]　　مٹ گیا سب ریاضِ دل سے گھاس
فقط اکبر کے دم سے ہے کچھ آس　　بس خزاں میں یہ ایک پھول ہے پاس

لے بمعنی "بو" مہک

دھوپ سے لو غضب کی چلتی ہے

دو پہر کوئی دم میں ڈھلتی ہے

جناب امام آمادۂ جنگ ہو کر عازم میدانِ کارزار ہیں حضرت علی اکبر یہ دیکھ کر بیتاب ہو جاتے ہیں۔ اور عرض کرتے ہیں کہ پہلے مجھے اپنے قدموں پر نثار ہونے دیجئے، آخر کار مجبور ہو کر اپنے ساتھ اپنے فرزند کو عصمت سرا میں لیجاتے ہیں۔ حضرت زینب بھتیجے سے کمال محبت رکھتی تھیں۔ اس لئے شاعر کہتا ہے۔

مختصر بیانی

کہہ رہی تھی یہ قسمتِ زینب دم میں لٹتی ہے دولتِ زینب

دیکھی اکبر نے صورتِ زینب آئے نزدیک حضرتِ زینب

منہ سے بولے نہ خوش سیر اکبر

گر پڑے جا کے پانوں پر اکبر

اندازِ بیاں

حضرتِ زینب حضرت علی اکبر سے کہتی ہیں۔

کچھ بتاؤ جواب دو اکبر غم نہ کھاؤ جواب دو اکبر

سر اٹھاؤ جواب دو اکبر بیٹھ جاؤ جواب دو اکبر

باپ کا منہ نہ اے قمر دیکھو

پوچھتی کیا ہوں میں ادھر دیکھو

جناب امام حسین حضرت علی اکبر کا ارادہ ظاہر فرماتے ہیں۔ حضرت زینب بیقرار ہو کر بھتیجہ کا منہ تکنے لگتی ہیں۔ یکایک حضرت علی اکبر کی

نظر اپنی والدۂ محترمہ پر پڑتی ہے۔

نظر آئیں جو مضطرب مادر روے مُنہ پھیر کر علی اکبر

پاس آئیں مشوّش و مضطر کی عجب حسرت و قلق سے نظر

گرد پھر کر بلائیں لیتی تھیں

سینہ سے سر ملاے دیتی تھیں

جناب امام سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیکھو زینب نے علی اکبر کو اپنے بچوں سے زیادہ عزیز رکھا اور اُن پر اپنے بچے نثار کر دیے۔ حضرت شہر بانو جواب میں اپنے شوہر سے کہتی ہیں۔ کہ وہ دختر حضرت فاطمہ ہیں۔ مجھ میں اُن میں بڑا فرق ہے۔ حضرت علی اکبر اپنی والدہ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں :۔

غیرت و ایثار

چپ ہیں بابا[۲] عجب مصیبت ہے مر چکے سب کے سب قیامت ہے

باقی اک آپ ہی کی دولت[۳] ہے میں ہوں زندہ مقام غیرت ہے

کیا نثارِ شہہ وحید[۴] نہ ہوں

قید ہو جاؤں اور شہید نہ ہوں

تاثیر بیاں

لیجئے اب مجھے اجازت ہو جلد کہہ دیجئے کہ رخصت ہو

جا۔ مبارک تجھے شہادت ہو قافلہ سے ملوں تو راحت ہو

---

[۱] یعنی حضرت علی اکبر والدہ حضرت شہر بانو [۲] یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام

[۳] اپنی طرف اشارہ [۴] مراد حضرت امام سے ہے۔

گھر ہے باغِ جناں شہیدوں کا
چل بسا کارواں شہیدوں کا

اپنی شفقت کا واسطہ اماں میری منت کا واسطہ اماں
غم و حسرت کا واسطہ اماں شہ کی غربت کا واسطہ اماں
سوگواروں کی یاس کا صدقہ
علی اصغر کی پیاس کا صدقہ

صبرِ شاہنشہ[1] زمن کی قسم ضعفِ سجاد[2] خستہ تن کی قسم
دستِ عباس[3] صف شکن کی قسم لاشۂ دلبرِ[4] حسن کی قسم
واسطہ اشک و آہِ زہرا[5] کا
صدقہ دردِ فراقِ صغرا[6] کا

آخر مجبور ہو کر فرزند کی درخواست منظور کرتی ہیں۔ یہ سنکر حضرت زینب کی زبان سے بے اختیار نکل جاتا ہے۔

صورتِ یاس دل دکھاتی ہے
جسم سے جان نکلی جاتی ہے

تھیں قلق سے غرق میں تر زینب ہوئیں یکبار نوحہ گر زینب
اُٹھے اکبر ادھر، اُدھر زینب روئیں منہ رکھ کے دوش پر زینب

ے۱ مراد حضرت امام حسین علیہ السلام سے ہے ے۲ مراد حضرت علی اکبر کے بڑے بھائی جو صاحب فراش ہیں۔ ے۳ حضرت علی کے چچا جو میدان کربلا میں شہید ہو چکے ے۴ حضرت قاسم سے مراد ہے ے۵ حضرت فاطمہ کا نام ہے ے۶ حضرت علی اکبر کی چھوٹی بہن جو مدینہ ہی میں ہیں

بس پھوپھی ! یہ کلام کر کے چلے
علی اکبر سلام کر کے چلے

حضرت سکینہ (آپ کی چھوٹی بہن) حضرت زینب اور حضرت شہر بانو درِ خیمہ تک ساتھ ساتھ آئیں، آپ باہر نکلے ہی تھے۔ کہ فوج شام کا ایک شریر و سنگدل سپاہی ساغرِ آب دکھا دکھا کر تشنہ دہنوں کا مضحکہ اُڑانے لگا۔ اس سلسلہ میں یہ بند کس قدر پُر درد ہے، ظالم سپاہی کہتا ہے۔

محاکات

ہم نے صرف اس طرح کیا پانی تم نے قطرہ نہیں پیا پانی
خاک پر کچھ بہا دیا پانی کہہ کے یہ کچھ تو پی لیا پانی
گودیوں سے نکل گئے بچّے
کہہ کے پانی مچل گئے بچّے

حضرت علی اکبر بچّوں کو پیار کر کے تسکین دیتے ہیں۔ اور

روئے چھوٹی بہن کو سمجھا کے رہ گئے شکلِ مہر تھرّا کے
دی صدا شاہ دیں نے چلّا کے دیدیا شہ کی گود میں جا کے
راہِ مولا میں سر کٹاتے ہیں
تم چلو آگے ہم بھی آتے ہیں

حضرت علی اکبر کے بڑے بھائی حضرت عابد بیمار ہیں۔ اور ضعف و نقاہت کی وجہ سے اُٹھ بیٹھ بھی نہیں سکتے، اس ہنگامہ سے انہیں بھی ہوش آیا۔ اور چھوٹے بھائی کی رخصت کا حال معلوم ہوا

محاکات

اٹھ کے گرتے ہوئے چلے وہ ضعیف بولے اکبر یہ مڑ کے سوئے نحیف
ہائے لائے ہیں کس طرح تشریف بھائی صاحب نے کی بڑی تکلیف
روئے وہ دونوں ہاتھ پھیلا کے
یہ گلے سے لپٹ گئے جا کے

اس کے بعد شاعر لکھتا ہے۔ کہ

دونوں بھائی جدا نہوتے تھے یہ بھی روتے تھے وہ بھی روتے تھے

الغرض حضرت علی اکبر سب سے رخصت ہو کر روانہ ہوئے۔ اور اسطرف

تھام کر دل کو غش ہوئیں زینب
کہیں بانو گریں کہیں زینب

حضرت علی اکبر میدانِ کارزار میں پہنچے، یہاں سے مرثیہ نگار سراپا شروع کرتا ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ بیان میں لبوں کی تعریف میں ایک بیت ندرتِ تشبیہ کے اعتبار پر خوب ہے۔ شاعر کہتا ہے۔ کہ

یہ سخن شاہِ بحر[۳] و بر کے ہیں
ٹکڑے میرے دل و جگر کے ہیں

اسی طرح دانتوں کی تعریف میں یہ بیت نہایت نادر ہے۔

ہیں یتیموں کے اشک سارے دانت
نہ تو ہیرے نہ ہیں ستارے دانت

---

[۱] یعنی حضرت عابد [۲] یعنی حضرت علی اکبر [۳] یعنی حضرت امام حسین

سراپا کے بعد شاعر سامعین مرثیہ کو مخاطب کر کے کہتا ہے۔

جانبِ دشتِ کربلا دیکھو شانِ ہمشکلِ مصطفٰے دیکھو
کثرتِ لشکرِ جفا دیکھو چاند دیکھو سیہ گھٹا دیکھو
واہ کیا شانِ حق تعالےٰ ہے
وہ اندھیرا ہے یہ اُجالا ہے

ہوگی آپس میں اب یہی گفتار تم بھی سنتے ہو تیغوں کی جھنکار
چل رہی ہے کہیں بڑی[1] تلوار دم میں آتی ہے خون کی بوچھار
آنکھ ہر مرتبہ جھپکتی ہے
دور بجلی کہیں چمکتی ہے

شاعر کے سامنے نقشہ جنگ کھچا ہوا ہے۔ اُسے کبھی ہنگامہ حشر نظر آتا ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ گنبد نہ فلک خم ہوئے جاتے ہیں۔ کبھی وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ زلزلہ سے دنیا تہ و بالا ہو رہی ہے۔ اسی عالم تصور و خیال میں کہتا ہے

دم سے ہستی عدم سے ملتی ہے اُٹھ کھڑے ہو زمین ہلتی ہے

پھر اہلِ بزم سے کہتا ہے۔

ہے یہ مجلس کہ رَن ہے پیشِ نظر محو تکبیر ہیں علی اکبر
سامنے اُڑ رہے ہیں سر یکسر لیتی ہے بسملوں کی ریتی پر
سخت جانوں کی جانیں جاتی ہیں
ہچکیوں کی صدائیں آتی ہیں

[1] یعنی بڑے زور کی

معرکہ آرائی

لشکر اُس سمت سے سمٹ کے بڑھے یوں پروں سے پرے لپٹ کے بڑھے
ڈر سے گویا شریر گھٹ کے بڑھے یہ اُدھر آستیں اُلٹ کے بڑھے

کی نگہ رخش نے ہزاروں پر
تھا عقاب اُڑ چلا شکاروں پر

گھوڑے کی سبک رفتاری کی تعریف میں ایک بند ملاحظہ ہو۔ ہر چند کہ انتہائی غلو ہے۔ لیکن شاعرانہ قوتِ تخیل کی کرشمہ کاری قابلِ تحسین ہے

مبالغہ

صورتِ ابر اِدھر اُدھر آیا چڑھ گیا اوج پر اُتر آیا
مع راکب[1] چھپا، نظر آیا دم کے دم میں زمین پر آیا

منکروں کو بڑے ملال دیے
شبہے معراج[2] کے نکال دیے

یہانتک شاعر نے محض اپنی قوت تخیل سے کام لیکر نقشہ جنگ پیش کیا تھا۔ اب واقعات اپنی گزشتہ ترتیب سے بیان کئے جاتے ہیں۔ سابق میں بتایا جاچکا ہے۔ کہ حضرت علی اکبر رخصت ہوکر میدانِ کارزار میں پہنچ چکے۔ فوج شام حملہ کرنا چاہتی ہے۔

---

[1] یعنی حضرت علی اکبر [2] مستند روایتوں سے ثابت ہے۔ کہ حضور نبی کریم صلیٰ علیہ وسلم کو تمام عرش و کرسی وغیرہ وغیرہ کی سیر کرائی گئی تھی۔ اسی کو معراج کہتے ہیں۔ بعض جسمی معراج کے قائل ہیں۔ بعض روحانی سمجھتے۔ قولِ اول زیادہ معتبر ہے۔

گرد اڑی - غل ہوا - خدا کی پناہ آسماں چھپ گیا خدا کی پناہ
تھا پرے[1] پر پرا - خدا کی پناہ تھی گھٹا پر گھٹا خدا کی پناہ
کون سے بندوبست ادھر نہ ہوئے
اکبرِ صف شکن خیر نہ ہوئے

خطیب فوجِ شام کہتا ہے -

کوششِ نام و ننگ باید کرد روزِ جنگ است جنگ باید کرد

حضرت علی اکبر مصروف جنگ ہوتے ہیں - تلوار کی صفائی ملاحظہ ہو -

مبالغہ

گر پڑی برق[2] ہل گئی جو پلک خون میں گھوڑے غرق گردن تک
غیرت آفتاب رُخ کی چمک رن میں بارش سروں کی زیرِ فلک
سرد لاشوں سے بند رستا ہے
دھوپ نکلی ہے مینہ برستا ہے

شاہزادے کی شان شاہانہ رن کو سمجھے ہوئے جلو خانہ
حُسن شمع جبیں کا پروانہ رحم کی خو ستم سے بیگانہ
جس نے ڈر کے خدا کا نام لیا
علی اکبر نے ہاتھ تھام لیا

شاعر حضرت علی اکبر کی بہادری و شجاعت کے کارنامے بیان[3] کرتا ہوا بزعم خود کہتا ہے -

---

[1] جماعت [2] یعنی تلوار "برق" استعارے کے طور پر کہا ہے - [3] یعنی حضرت علی اکبر

آئیں وہ سب کے سب جو آتے ہیں کہیں یہ شیر خوف کھاتے ہیں
گیسوؤں کو کھڑے بناتے ہیں تو لے تلوار مسکراتے ہیں
نہیں پروا جو شور ہوتے ہیں
علی اکبر علی کے پوتے ہیں

ایک بہادر پہلوان حضرت علی اکبر سے مقابلہ کرنے کیلئے آتا ہے۔

وار اُس نے کیا سپر پہنچی تیغ شامی نہ تا کمر پہنچی
اِن کی تلوار یوں اُدھر پہنچی چمکی سر پر زیں پر پہنچی
کٹ کے استادہ راہوار رہا
گھوڑے پر بےخبر سوار رہا

حریف کے ٹکڑے تھوڑی دیر کے بعد زمین پر گر پڑتے ہیں۔ آپ مہلت پاکر جناب امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرتے ہیں۔ کہ اب تک برابر جنگ کرتا رہا۔ لیکن اب شدّت تشنگی و نقاہت سے بُرا حال ہے۔ جناب امام کلمات تسکین فرماتے ہیں۔ اور اس دنیا کی عارضی تکلیف و راحت کا بیان کرتے ہیں۔ حضرت علی اکبر تسکین یاب ہو کر دوبارہ میدانِ کارزار میں پہنچکر تیغ آزمائی کرتے ہیں۔ ایک بیت ملاحظہ ہو۔

مار کے فوج کو سمیٹ دیا جُرم کی فرد کو لپیٹ دیا

آخر کار خود بھی زخموں میں چور ہو کر گر پڑتے ہیں۔ اور شہید ہو جاتے ہیں۔

مہتاب سے اختر کی جدائی کا بیان ہے شبیر سے اکبر کی جدائی کا بیاں ہے
ہمشکل پیمبر کی جدائی کا بیاں ہے رشکِ مہِ نو کی جدائی کا بیاں ہے
پُر گرد ہیں کپڑے پسرِ شیرِ خدا کے
اُٹھے ہیں لحدِ اصغرِ ناداں کی بنا کے

مصوّری

رنگِ قمرِ فاطمہ صدمے سے جو فق تھا خاموش کھڑے تھے علی اکبر کو قلق تھا
منہ غیظ سے تھا سُرخ بدن غرقِ عرق تھا تھیں دل سے یہ باتیں جگر اندوہ سے شق تھا
ہم کس سے رضا لیں کہ قلق سہ نہیں سکتے
بابا کا عجب حال ہے کچھ کہ نہیں سکتے

جنابِ امام حسین اپنے شیر خوار بچے حضرت علی اصغر کے واقعہ شہادت سے حد درجہ متاثر ہیں اپنے نوجوان فرزند علی اکبر سے فرماتے ہیں۔

محاکات

کیوں یاد ہے اکبر علی اصغر کا ہمکنا وہ خون کا ڈھلکی ہوئی گردن سے ٹپکنا
منہ یاس سے تکنا کبھی آنکھوں کا جھپکنا ننھا سا وہ سینہ وہ غضب دل کا دھڑکنا
بیدم جو ہوا حسن ہوا تھا علی اکبر
ہدیہ یہی مقبول خدا تھا علی اکبر

جنابِ امام سانحاتِ عظیمہ سے متاثر ہو کر اپنے فرزند حضرت علی اکبر سے فرماتے ہیں کہ اب میں جامِ شہادت پیتا ہوں۔ تم یہیں رہو، ناموس کی حفاظت تمہارے ذمّہ ہے۔ اسی سلسلہ میں نصیحت کے طور فرماتے ہیں۔ کہ

میرے بعد حضرت زینب کا ہر طرح خیال رکھنا۔

حقدار ہیں بیٹا تمہیں پالا ہے انہوں نے
بچپن میں جو مچلے ہو سنبھالا ہے انہوں نے
آیا ہے تمہیں غیظ تو ٹالا ہے انہوں نے
باہر تمہیں مشکل سے نکالا ہے انہوں نے
زہرا کی جگہ ماہ لقا اُن کو سمجھنا
مادر سے بھی رُتبے میں سوا اُن کو سمجھنا

بس جوڑ کے ہاتھوں کو لگے کانپنے اکبرؑ
آیا نہ سخن شدت رقت سے زباں پر
گویا ہوئے شبیر کہ ہاں ہاں مہ انور
کچھ تم تو پدر سے بھی سوا ہو گئے مضطر
منہ صدمۂ جانکاہ سے کھولا نہیں جاتا
رقت کا یہ عالم ہے کہ بولا نہیں جاتا

حضرت علی اکبر عرض کرتے ہیں۔ کہ میری آنکھیں آپ کو تہ خنجر نہیں دیکھ سکتیں اور اس سے زیادہ سخت واقعہ کیا ہو سکتا ہے۔ کہ جوان فرزند کے سامنے باپ شہید ہو جائے۔

مرتبہ صبر

گویا ہوئے شہ دھیان یہ کیا ماہ لقا ہے
خورشید کو بے نور کسی نے بھی کہا ہے
اس دم نہ لڑے تو نہ لڑے بات ہی کیا ہے
جرأت سے کہیں مرتبہ صبر سوا ہے
ہر مرتبہ لڑنے کو دلاور نہیں بڑھتے
چلنے سے کبھی تیغ کے جوہر نہیں بڑھتے

آخر حضرت علی اکبر کے اصرار سے مجبور ہو کر جناب امام حسین نے اجازت جنگ دیدی اور حضرت علی اکبر

خیمہ میں گئے جلد جو زینب نے بُلایا　　سب گھر اُنہیں ماتم کا مرقع نظر آیا

یوسف نے حزینِ قافلۂ نور کو پایا　　اُسوقت تڑپ کر یہ سکینہ[1] نے سُنایا

یا رائے فراقِ علی اصغر[2] نہیں بھائی

ہشیار پڑی دیر سے مادر نہیں بھائی

یہ سُنکے جھکایا جو سر اُس شیر وغا نے　　ہر سمت سے گھیرا حرم شاہ ہدا نے

روتی ہوئی زینب گئیں بانو کے سرہانے　　یہ کہہ کے لگیں شانہ بیکس کو ہلانے

چونکو کہ قیامت ہیں قیامت ہوئی بی بی

اکبر کو بھی مرنے کی اجازت ہوئی بی بی

حضرت علی اکبر ماں سے دریافت کرنے پر شیرخوار بھائی حضرت علی اصغر کے شہید ہونیکا واقع بیان کرتے ہیں

گھر میں شہ دیں دیکھیے آئیں کہ نہ آئیں　　فرماتے ہیں اصغر نہیں لیکر کسے جائیں

چلائیں یہ کہکر مری جانب سے بلائیں　　لو چلتی ہے دیر آپ نہ جنگل میں لگائیں

تقدیر سے کیا بس ہو نہ شرمائیے صاحب

ہیں کچھ نہیں کہتے کی چلے آئیے صاحب

اچھا وہ اکیلے ہیں تمہیں جلد سدھارو　　آگے نہ بڑھے کوئی یہ میداں میں پکارو

پہنو نئی پوشاک یہ کپڑے تو اتارو　　لو عطر ملو گیسوے پر گرد سنوارو

پیارے شہدا کا یہی اسلوب ہے بیٹا

تزئین پئے نذرِ خدا خوب ہے بیٹا[3]

[1] حضرت علی اکبر کی چھوٹی بہن۔ [2] حضرت علی اکبر کے شیرخوار بھائی جو ابھی کچھ دیر پہلے دشمنوں کے تیر کا نشانہ ہوے۔ [3] اشارہ ہے حضرت علی اصغر کی طرف۔

لطفِ تمثیل

اس ذکر میں حاضر جو ہوا پیرہن پاک پڑھ پڑھ کے دُعائیں انہیں پہنائی وہ پوشاک
معلوم ہوا حُسنِ شبابِ شہ لولاک بس پیار کیا گرد پھریں زینب غمناک
یوں حسن بڑھا جسم میں کپڑوں کی صفا سے
جیسے چمک آئینہ میں ہوتی ہے جلا سے

حضرت علی اکبر مخدرات عظام سے رخصت ہو کر خیمہ سے باہر جاتے ہیں

ڈیوڑھی میں جو پہنچے تو کہا جایئے اماں اب سامنے رن ہے نہ چلی آیئے اماں
آہستہ سخن پاس کے فرمایئے اماں دیتا ہے خدا صبر نہ گھبرایئے اماں
تسلیم کی زینب کو سدھارے علی اکبر
بانو نے کہا چھٹ گئے پیارے علی اکبر

باہر گئے دیکھا کہ پدر خاک نشیں ہے باجوں کا ہے غل جنگ طلب لشکر کیں ہے
کی عرض قریب آکے یہ کیا ای شہ دیں ہے حضرت نے کہا خیر ہی کچھ بھی تو نہیں ہے
تولے ہوئے تلوار کو خوش آئے ہو کیسا
معلوم ہوا ماں سے رضا لائے ہو کیسا

حضرت علی اکبر جناب امام سے رخصت ہو کر میدان کارزار میں تشریف لائے
اور رجز خوانی کے بعد مصروف جنگ ہوئے

نکلا نہ پئے جنگ اودھر سے کوئی بیباک لی میان سے تلوار بڑھایا فرس پاک
یوں شاد چلے خوں بہانے کو وہ چالاک خوش جیسے نہانے کے لئے جاتے ہیں پراک
چمکی دم حیرت صف بے پیر میں بجلی
یکبار گری گلشن تصویر میں بجلی

تلوار کی تعریف

افواج ظفر پیش و پس آئی جدھر آئی بجلی کو نہایت ہوس آئی جدھر آئی
بالائے سوار و فرس آئی جدھر آئی تھی مرگ مفاجات بس آئی جدھر آئی

مجروح بہت سینۂ ناپاک کئے تھے
تلوار نے بلبل کے قفس چاک کئے تھے

حضرت علی اکبر تھوڑی سی مہلت پاکر جناب امام حسین علیہ السلام کیخدمت میں حاضر ہوئے۔ اور شدت تشنگی کا حال بیان کیا۔ جناب امام نے اپنے ہاتھ کی انگوٹھی عطا فرمائی کہا سے مُنہ میں ڈال لو حضرت علی اکبر رخصت ہوکر پھر آمادہ جنگ ہوتے ہیں

مصوّری

میداں میں وہ اکبر ذیجاہ کا جانا کاکل کا ہوا سے اِدھر آنا اُدھر آنا
وہ شاہ کی غربت وہ مصیبت کا زمانا مُنہ پر لئے دامانِ قبا اشک بہانا

قلبِ سپہ شام میں وہ ماہ لقا تھا
قلبِ شہ بیکس کا عجیب حال ہوا تھا

حضرت علی اکبر زخموں میں چور ہو کر گھوڑے پر بیہوش ہوگئے اس موقع پر ایک بیت ملاحظہ ہو۔

غش ہو گئے ہمشکل نبیؐ دامنِ زیں پر
لٹکے ہوئے تھے گیسوئے خمدار زمیں پر

آخر حضرت علی اکبر شہید ہوجاتے ہیں۔

میر انیس

جب سے جناب امام حسین کے فرزند نوجوان حضرت علی اکبر میدانِ جنگ کی طرف سدھارے ہیں۔ جناب امام کی بیقراری بڑھتی جاتی ہے۔ اسی حالت میں

ناگاہ صدا آئی یہ میدان سے اس دم ۔۔۔ بابا لو خبر جلد کہ دنیا سے چلے ہم
سینے سے یہاں پار ہوا نیزۂ ظالم ۔۔۔ جاری ہے لہو زخموں سے غش آتے ہیں پیہم
ہرگز کوئی جینے کی نشانی نہیں باقی
دم اوکھڑا ہے نبضوں میں روانی نہیں باقی

جناب امام بیٹے کی تلاش میں روانہ ہوتے ہیں

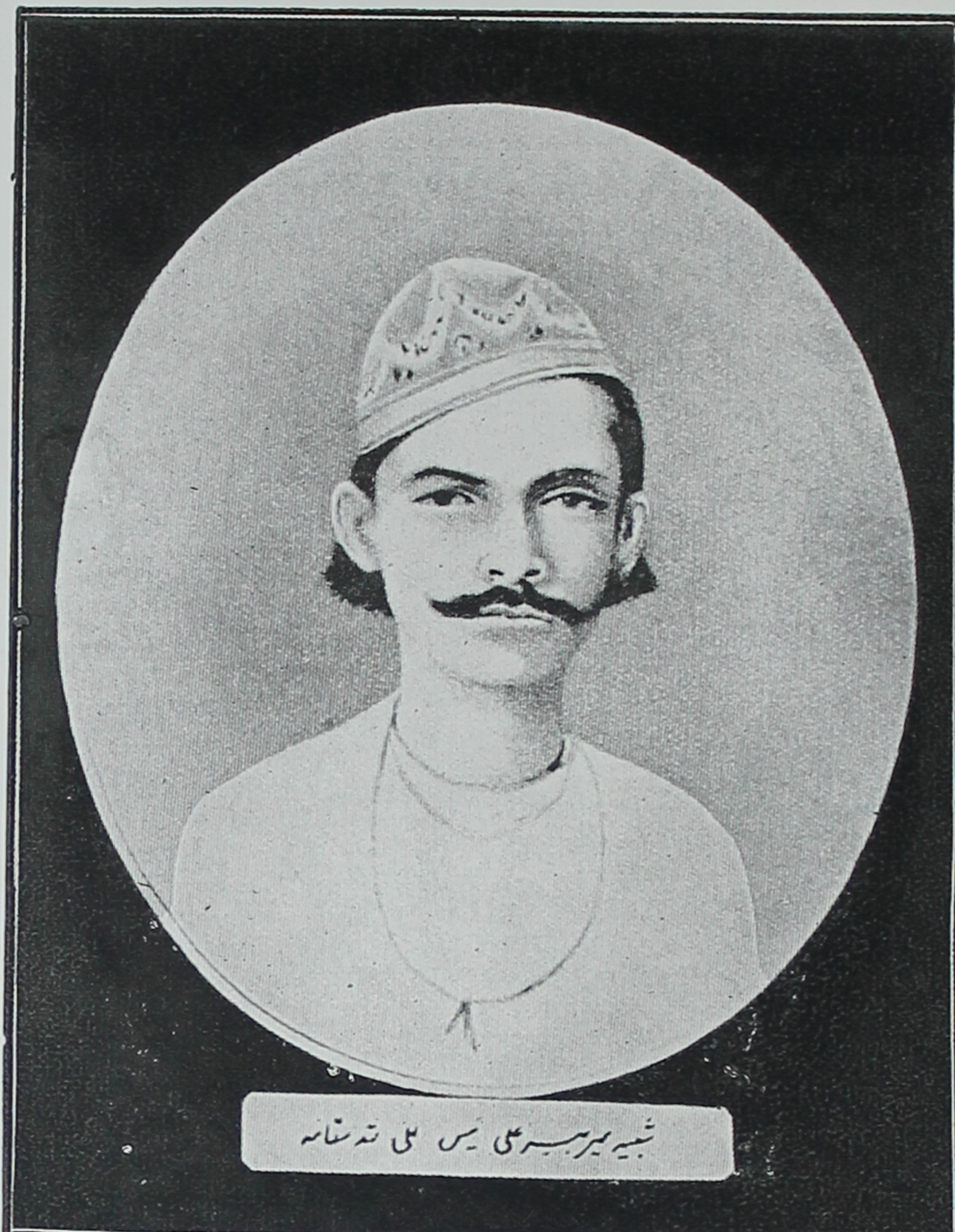
صدمہ تھا عجیب طرح کا سلطانِ امم پر
میدان میں گر پڑتے تھے ایک ایک قدم پر

جناب امام بیٹے کے پاس پہنچتے ہیں۔ اور

فرمایا جو کیا حال ہوا اے مرے جانی ۔۔۔ منہ زرد ہے باقی نہیں نبضوں میں روانی
ہر عضو سے اب موت کی ظاہر ہے نشانی ۔۔۔ زخمو نے تیری تیروں سے چھاتی مری چھانی
پکڑے ہو جگر ہاتھ سے مُنہ زرد ہے اکبرؑ
شاید کہ کلیجے میں ترے درد ہے اکبرؑ

پھر خاک سے بیٹے کو شہِ دیں نے اُٹھایا ۔۔۔ خیمہ کو روانہ ہوا زہرا کا دہ جایا
پھر شام کا بادل شہِ مظلوم پہ چھایا ۔۔۔ تیروں کا نشانہ شہِ بیکس کو بنایا

اردو مرکز لاہور



شبیہ میر ببر علی انیس [illegible]

اُن تیروں سے بیٹے کو بچا لیتے تھے شبیرؑ
چھاتی کے تلے لاش چھپا لیتے تھے شبیرؑ

جناب امام حسین مجروح فرزند کو لیکر خیمہ میں پہنچتے ہیں۔ یہاں تمام مخدراتؑ مصروف غم ہیں۔ حضرت شہربانو بیٹے کی حالت دیکھ کر بے اختیار ہو گئیں حضرت علی اکبر ذرا ہوش میں آتے ہیں۔ اور ماں کو سمجھاتے ہیں۔ مگر بولا نہیں جاتا

غم انگیز

کچھ اسطرح خاموش ہوا دلبر سرورؑ　　بولا نہ گیا بند زباں ہو گئی یکسر
شہ کتنا پکارے علی اکبر علی اکبر　　تغییر تھا احوال بہت بولتے کیونکر
اک آہ بھری نالۂ پُر درد کے ہمراہ
جنت کو سدھارے نفس سرد کے ہمراہ

مرگِ پسر

بشر کے جسم سے رنجِ فراقِ جاں پوچھو　　مکیں سے صدمۂ ویرانیٔ مکاں پوچھو
شہید سے الم خنجر و سناں پوچھو　　حسینؑ سے غمِ فرزندِ نوجواں پوچھو
ہوا ورودِ خزاں باغِ زندگانی میں
پدر سے چھوٹ گئے موسمِ جوانی میں

غمِ فرزند

خدا پدر کو نہ دکھلائے مرگِ راحتِ جاں　　کلیجہ زخمی ہو جب دل کو پھر قرار کہاں
اُدھر تو سینۂ اکبر سے گذری نوکِ سناں　　ادھر لہو ہوا چشمِ امامِ دیں سے رواں

تڑپ کے جانب گردوں نگاہ کی شہ نے
زمین ہل گئی اک ایسی آہ کی شہ نے

پکارتے ہوئے دوڑے مرے شہید پسر　　مرے جواں مرے مہرو مرے سعید پسر
قریب ہو کہیں میداں سے یا بعید پسر　　مرے حسین مرے یوسف مرے رشید پسر
پدر پر آج نئی واردات ہے بیٹا
خبر نہیں ہمیں دن ہے کہ رات ہے بیٹا

قمر حسین کے کس ابر میں نہاں ہے تو　　پدر کو چاند سی صورت دکھا کہاں ہے تو
زمین پہ کونسی جا زیر آسماں ہے تو　　پکڑ تو ہاتھ کہ میں پیر ہوں جواں ہے تو
لہو میں کیا مرادِ خوش آب ڈوب گیا
ابھی تو دن ہے کدھر آفتاب ڈوب گیا

جناب امام حسین علیہ السلام تلاشِ فرزند میں مغموم وازخود رفتہ تھے۔ یکایک حضرتِ علی اکبر کی یہ صدا سنتے ہیں

اکھڑ گیا ہے دم اب موت جان لیتی ہے
پکارنے کی بھی طاقت جواب دیتی ہے

الغرض امام بیٹے کی آواز جس طرف سے آتی ہے اُس آواز کی مدد سے آپ بیٹے تک

لٹی ہوئی وہ کمائی بصد تلاش ملی
زمیں پہ خون میں غلطاں پسر کی لاش ملی

واقعہ نگاری

عجیب حالتِ فرزند نوجواں دیکھی　　عطش سے ہونٹوں پہ نکلی ہوئی زباں دیکھی

قمر سے چہرے پہ زردی لبوں پہ جاں دیکھی　　کلیجہ پھٹ گیا سینہ میں جب سناں دیکھی

پدر کے سامنے بیٹے کا دم اُکھڑتا تھا

حسین دیکھتے تھے اور گھر اُجڑتا تھا

قریب لاش پسر بیٹھ کے یہ چلائے　　زمین گرم سے بیٹا اٹھو کہ ہم آئے

صدا یہ سنتے ہی اکبر نے ہاتھ پھیلائے　　لپٹ کے لاش سے تشنہ لب یہ سخن لائے

گلے لگو کہ محمدؐ کا میں نواسا ہوں

زباں دکھا کے کہا یا حسین پیاسا ہوں

جناب امام حسین بیٹے کی تشنہ دہانی اور اپنی مجبوری پر تڑپ گئے۔ فرمایا بیٹا تمہیں معلوم ہے۔ کہ تین دن سے پانی بند ہے۔ فوج اشقیا کا نہر پر قبضہ ہے شیر خوار علی اصغر جاں بلب ہے۔ ظالم معصوم کو بھی ایک قطرۂ آب دینے کے روادار نہیں۔ آپ یہ فرما رہے تھے۔ کہ حضرت علی کو ایک ہچکی آئی اور روح پاک ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔

دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ　　دل کو فگار کرتا ہے لخت جگر کا داغ

آنکھوں کا نور رکھتا ہے نور بصر کا داغ　　مرنا جوان بیٹے کا ہے عمر بھر کا داغ

یہ حال ابن فاطمہ کے دل سے پوچھئے

زخم جگر کے درد کو گھائل سے پوچھئے

حضرت علی اکبر کے مجروح ہو جانے کے بعد جناب امام حسین کا فرزند کو تلاش کرتے وقت یہ حال تھا۔ کہ

لے یعنی جناب امام حسین

مطّوری

آنکھوں میں اشک لب پہ فغاں اور دل میں درد
ہاتھوں میں رعشہ چہرۂ اقدس کا رنگ زرد
صدمے سے ہاتھ پاؤں کبھی گرم گاہ سرد
مثلِ کمان خمیدہ مگر گیسوؤں پہ گرد
دیکھی جو کوئی لاش تو گھبرا کے گر پڑے
جلدی کبھی چلے کبھی غش کھا کے گر پڑے

حضرت امام حسین بیٹے کو آواز دیتے ہوئے عالم خیال میں کہتے ہیں۔

بیٹا ہماری آنکھوں میں عالم سیاہ ہے
اے نورِ عین باپ کی حالت تباہ ہے
دم چڑھ گیا ہے خالقِ عالم گواہ ہے
جائیں کدھر کہ لشکر کیں سدِّ راہ ہے
طاقت جو تھی بدن میں وہ سب بھائی لے گئے
اب تم ہماری آنکھوں کی بینائی لے گئے

جنگل سے آئی اتنے میں اکبر کی یہ صدا
اب جاں بلب ہوں آیئے یا شاہِ کربلا
ہے عنقریب کوچ سوئے گلشنِ بقا
حسرت یہ ہے کہ دیکھ لوں دیدار آپ کا
آلودہ خون بھرا ہوا چہرہ ہے گرد سے
بسمل سا لوٹتا ہوں کلیجے کے درد سے

جناب امام فرزند کی آواز سنکر اسی طرف تلاش کرتے ہوئے پہنچتے ہیں۔

دیکھا لہو پسر کا تو دل تھر تھرا گیا
آنکھوں کے نیچے شہ کی اندھیرا سا آگیا

جناب امام فرزند کو لیکر روانہ ہوئے لیکن حضرت علی اکبر رستہ ہی میں دم توڑ دیتے ہیں

چلّائے شاہِ دیں کہ جہاں سے گذر گئے
مادر کو دیکھنے بھی نہ پائے کہ مر گئے

فرزند پیمبر سے جدا ہوتے ہیں اکبرؑ خاموش کھڑے اشکوں سے منہ دھوتے ہیں اکبر
روتے ہیں اِدہر شاہ اُدھر روتے ہیں اکبرؑ ہاں باپ کے جینے کا مزہ کھوتے ہیں اکبر
ہستی کا چمن ہوتا ہے پامال خزاں سے
بن پھولے پھلے جاتے ہیں گلزار جہاں سے

محاکات

ہیں گرد حرم بیچ میں ہیں اکبر مہرو منہ سرخ شجاعت سے ہے بل کھاتے ہیں گیسو
بابا کا نہ کچھ بس ہے نہ مادر کا ہے قابو یہ قلب پہ صدمہ ہے کہ تھمتے نہیں آنسو
منہ گرد سے آلودہ ہیں دل غم سے بھری ہیں
لب خشک ہیں اور ہاتھ کلیجوں پہ دھرے ہیں
پٹکے کو لئے گرد پسر پھرتی ہیں مادر ہیں بال کھلے سر سے گری پڑتی ہے چادر
شہ سے یہ اشارہ ہے کہ یا سبط پیمبرؐ روکو نہیں ہاتھوں سے چلے اب علی اکبر
ہیں صاحب الفت انہیں رحم آئیگا ہمپر
تم بیٹے کو سمجھاؤ میں گرتی ہوں قدم پر

جناب امام حسین علیہ السلام جواب میں فرماتے ہیں

کس طرح سے میں روک لوں اس ماہ لقا کو
تنہائی شبیرؑ ہے منظور خدا کو

مرقع نگاری

اتنے میں کمر باندھ چکا شاہ کا دلدار سینے میں دھڑکنے لگا زینب کا دل زار
فرزند کا منہ تکنے لگے سیدِ ابرار ہمشکل پیمبر ہوئے رخصت کے طلبگار

ہاتھوں سے کلیجہ شہ دیں پر نے سنبھالا
گرنے جو لگی ماں علی اکبر نے سنبھالا

فرزند کے رخصت طلب ہونے پر جناب امام فرماتے ہیں۔

ماں باپ چراغ سحری ہیں علی اکبر
ہم تم سے بھی پہلے سفری ہیں علی اکبر

حضرت علی اکبر عرض کرتے ہیں۔ کہ میں بہر حال تابع فرمان ہوں۔ لیکن غیرت کا تقاضا نہیں۔ تمام اعزا اور احباب شہید ہوجائیں اور میں آپ کے قدموں پر اپنا سر نثار نہ کرسکوں۔ جناب امام مجبور ہو کر کس قدر درد میں ڈوبے ہوئے الفاظ میں فرماتے ہیں۔

مرضی جو تمہاری نہیں بس باپ کا کیا ہے
کچھ غم نہیں بیکس کی بھی میت کا خدا ہے

یہ دیکھ کر کہ حضرت علی اکبر کسی طرح نہ رکینگے۔ حضرت شہربانو غم و الم کی تصویر مجسم بن جاتی ہیں کہ حضرت علی اکبر کی پھوپھی حضرت زینب بھتیجے کو سمجھاتی ہیں۔ آپ جواب میں عرض کرتے ہیں

انصاف سے فرماؤ تمہیں کیا کرے اکبر
بابا پہ چلیں برچھیاں دیکھا کرے اکبر

حضرت علی اکبر رخصت ہو کر میدان کارزار میں پہنچے اور مصروف جنگ ہیں۔ حریف کے لشکر کا یہ عالم ہے۔ کہ

سر تن سے قلم ہوتے تھے بیداد گروں کے — کاغذ کی طرح اڑتے تھے پرزے سپروں کے

آخر جنگ کرتے ہوئے دشمنوں نے ہر طرف سے حملے کئے۔ یہاں تک کہ علی اکبر شہید ہو جاتے ہیں۔

یارب کوئی جہاں میں اسیر محن نہ ہو — جنگل میں گھر لٹا کے کوئی بےوطن نہ ہو
ماں باپ سے جُدا کوئی گل پیرہن نہ ہو — پھولا پھلا اُجاڑ کسی کا چمن نہ ہو
بھائی بچھڑ چکا ہے شہِ مشرقین[۱] سے
اب نوجوان پسر کی ہے رخصت حسین سے

غمِ برادر

طاقت تھی جس سے شہ کو سفر کر گیا وہ شیر — جس سے مزاحیات کا تھام گیا وہ شیر
پیاسا جہان سے لبِ کوثر گیا وہ شیر — سقّائی کر کے خون میں خود بھر گیا وہ شیر
خم آگیا کمر میں شہِ خوش خصال کی
تصویر مٹ گئی اسد[۲] ذوالجلال کی

اولاد والے دل میں کریں اک ذرا خیال — ہوتی ہے کیسی الفت فرزند خوش جمال
بیٹا وہ نوجواں[۳] جسے اٹھارہواں ہو سال — کیا ہوگا نور چشمِ رسولِ خدا کا حال
ماں باپ کے لئے تو اجل کا پیام ہے
دشمن بھی رونے لگتے ہیں یہ وہ مقام ہے

۱۔ مراد امام حسین سے ہے ۲۔ "اسد اللہ" "اسد ذوالجلال" حضرت علی کا لقب ہے۔ حضرت عباس آپ کے فرزند تھے۔ اس لئے آپ کو تصویر اسدِ ذوالجلال کہا ہے۔

۳۔ جناب امام حسین کے نوجوان صاحبزادے حضرت علی اکبر

جناب علی اکبر فوجِ شام سے جنگ کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔ جناب امام اس طرح سنتے ہیں کہ گویا نہیں سنتے۔ ٹالنے کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں۔

بیکس پھوپھی کو گھر میں تمہارا ہے انتظار
دھڑکے سے ماں کے دل کو نہیں ایکدم قرار
چھوٹی بہن پکارتی ہے تمکو بار بار
دیکھو آؤ اپنے چاہنے والوں کو میں نثار
ہم کوئی دم میں آب دم تیغ پیتے ہیں
یہ چند دم تمہارے بھروسہ پہ جیتے ہیں

جناب امام فرزند کو سمجھاتے ہوئے کہتے ہیں

سب تو یہ کہہ رہے ہیں کہ منہ موڑے جاتے ہیں
اور ہم جہاں میں تمسا پسر چھوڑے جاتے ہیں

اسی سلسلہ میں فرزند سے کہتے ہیں۔

کنبہ کی جان باپ کا اقبال گھر کا نور
یوسف جمال صاحبِ توقیر ذی شعور
جرّار و بربادر و دلاور سخی غیور
آنکھوں کی روشنی جگر و قلب کا سرور
خرد و کلاں کو اجرِ زیارت حصول ہیں
تم ہو تو اہل بیت میں گویا رسول ہیں

نعمت ہے زیست خلق میں ایسے سعید کی
پیدا ہے نورِ رُخ سے ضیا صبح عید کی
تھی سب کو آرزو رُخِ روشن کے دید کی
تصویر ہو رسولِ خدائے مجید کی
کیونکر جدا نگاہ سے بیٹا کریں تمہیں
آنکھیں یہ چاہتی ہیں کہ دیکھا کریں تمہیں

باپ کے جذبات

پھولو پھلو کہ زینت باغ جہاں ہو تم
آخر ہے عمر پیر ہیں ہم نوجواں ہو تم

شاداں رہے گی روح کہ راحت رساں ہو تم
مرنے کے بعد باپ کا نام و نشاں ہو تم
گر ہم نہیں تو خانۂ زہرا میں تم رہو
اب زندگی یہی ہے کہ دنیا میں تم رہو

بیٹے کے جذبات

اکبر کا رنگ اُڑ گیا سنتے ہی یہ کلام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے شہ سے کہ یا امام
فرزندِ ارجمند ہیں سجادِ نیک نام
اکبر تو ہے حضور کا ادنیٰ سا اک غلام
اس امر سے فزوں کوئی شرمندگی نہیں
آقا کے بعد موت ہے یہ زندگی نہیں

حضرت علی اکبر عرض کرتے ہیں۔ کہ آپ تو امام وقت ہیں۔ آپ کو زندہ رہنا چاہیئے۔ اس لئے کہ آپ ہی کی وجہ سے خاندانِ نبوّت کا شیرازہ بندھا ہوا ہے اور سلسلہ ارشاد و ہدایت قائم ہے۔ انہی خیالات کو ان لفظوں میں ادا کرتے ہیں

سرسبز ہے زراعتِ عالم سحاب سے
ذرّوں کی زندگی ہے فقط آفتاب سے

پھر کہتے ہیں۔

چھٹ کر پدر سے باپ کے پیارے کہاں رہیں
جب آسماں نہ ہو تو ستارے کہاں رہیں

غیرت اسیری

سینے میں دل لرزتا ہے جینے کے نام سے
زندہ وہی ہے پہلے مرے جو امام سے
سیراب ہونے دیجے شہادت کے جام سے
آقا یہ بوجھ اُٹھ نہ سکے گا غلام سے
دیکھیگا کون لوٹنے لوجیں جو آئینگی
خادم سے بیڑیاں کبھی پہنی نہ جائینگی

جذبہ شجاعت

خوں میں نہا کے گر نہ ہوا آج سُرخرو پھر کس کو مُنہ دکھاؤں گا یا شاہِ نیکخو
چمکا رہے ہیں برچھیاں میداں میں جنگجو غصہ سے جوش کھاتا ہے اب جسم کا لہو
کس سے کہوں اگر نہ کروں عرض آپ سے
بیٹے کی آبرو متعلق ہے باپ سے

حضرت علی اکبر بہمراہی جناب امام حرم سرا میں جاتے ہیں۔ حضرت علی اکبر اپنی پھوپھی حضرت زینب کی خدمت میں آہستہ عرض کرتے ہیں۔ کہ ذرا علیحدہ چلکر میری استدعا سن لیجیئے۔ حضرتِ زینب بھتیجے کو علیحدہ لیجاتی ہیں۔ جہاں حضرت علی اکبر کی والدہ حضرت شہر بانو بھی موجود ہیں۔

واقعہ نگاری

بڑھکر کہا پھوپھی نے کہو جلد میری جاں گھبرا کے دیکھنے لگی بیٹے کے مُنہ کو ماں
آہستہ اُن سے رو کے یہ بولا وہ نوجواں رن میں چلے تھے مرنے کو شاہنشہ زماں
میں پاؤں پر گرا ہوں تو تشریف لائے ہیں
گھر میں حسین آخری رخصت کو آئے ہیں

کانپا یہ سُنکے بانوئے ناشاد کا جگر کی بنتِ فاطمہ[1] کی طرف پاس سے نظر
ٹپکا کے اشک آنکھوں سے بولی وہ نوحہ گر ہے ہے یہ کیا کریں کہ مصیبت میں ہیں پدر
بیجا ہلاک کوئی بھی کرتا ہے آپ کو
کس طرح چھوڑے نرغۂ اعدا میں باپ کو

---

[1] امام حسین

یہ ذکر تھا اُدھر کہ پکارے امام دیں
لو الوداع اے حرمِ ختمِ مرسلین
آپہنچے متصل درِ خیمہ کے اہلِ کیں
لے آؤ جامۂ کہن اے زینبِ حزیں
رخصت کو آئیں جو مرے نازوں کے پالی ہیں
اکبر کو رو کیو یہ تمہارے حوالے ہیں

اکبر[1] پھوپھی کو دیکھ کے بولے کہ ہے غضب
لو آفت آئی گھر پہ چلے شاہ تشنہ لب
دوڑے سروں کو کھولے ہوئے اہلبیت سب
بانو گری تڑپ کے قدم پر بصد تعب
بیٹے نے تھامے ہاتھ شہ کربلائی کے
زینب نے سر جھکا دیا قدموں پہ بھائی کے

اس دم بصد ملال پکارے شہِ زمن
اماں کی تم سے بُو مجھے آتی ہے اے بہن
بولی یہ ہاتھ جوڑ کے بانوئے خستہ تن
آقا ابھی تو زندہ ہے اکبر سا صف شکن
دکھ درد میں پدر کے پسر کام آتے ہیں
آپ انکے ہوتے کیسلیے میداں میں جاتے ہیں

محاکات

گر کر قدم پہ شہ کے یہ بولا وہ نوجواں
بس اب رضائے جنگ دو اے قبلۂ زماں
صدمہ ہوا پھوپھی کے جگر پر کہ الاماں
کانپے جو پاؤں گرنے لگی تھرتھرا کے ماں
خوں گھٹ گیا امامِ زماں زرد ہو گئے
اچھا کہا مگر ہمہ تن درد ہو گئے

حلقے سے بی بیوں کے جو نکلا وہ آفتاب
ہمراہ تھے پسر کے امام فلک جناب
چڑھنے لگا فرس پہ تو دل کو رہی نہ تاب
گھبرا کے شہ نے ہاتھ بڑھایا سوئے رکاب

[1] یعنی حضرت علی اکبر

تڑپا جو دل تو ہاتھوں کو حضرت کے تھام کے
سر رکھ دیا پسر نے قدم پر امام کے

جناب امام عزیز فرزند کو رخصت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

طاقت تھی جس سے دل کو وہ دولت بچھڑ گئی
میں تو یہ جانتا ہوں کہ دُنیا اجڑ گئی

پھر ارشاد فرماتے ہیں

پردرد بیان

آئے ہیں ہم بھی خیر سدھارو سفر کرو
اچھا بساؤ دشت کو ویران گھر کرو
تیغوں میں آفتاب سا سینہ سپر کرو
پھر دیکھ لے یہ باپ ذرا مُنہ ادھر کرو
اک جا رہے یہ غنچۂ خاطر کھلے نہیں
مدّت گذر گئی کہ گلے سے ملے نہیں

الغرض حضرت علی اکبر جناب امام سے رخصت ہو کر میدان مقابلہ میں وارد ہوئے۔ یہانتک واقعات لکھنے کے بعد مرثیہ نگار سراپا شروع کر دیتا ہے۔ جو چند دور از کار ادر پیش پا افتادہ تشبیہات و استعارات کا مجموعہ ہونے کے ماسوا موقع و محل کے اعتبار پر بھی مناسب نہیں۔ ان کی تعریف میں ایک بند نہایت خوب ہے۔ آنکھوں کو دو ستارے کہنا ایشیائی نقطۂ خیال سے بالکل نئی بات ہے لیکن مغربی شاعری میں عام طور پر رائج ہے۔ کون کہہ سکتا ہے۔ کہ میر صاحب نے خیال یورپ سے لیا ہے

آنکھیں وہ نرگسی جنہیں دیکھے سے ہو سرور
روشن میان کعبہ ہیں یا دو چراغ طور
یا صاف دو ستاروں کا ہے ایک جا ظہور
کوثر سے یا بھرے ہوئے ہیں ساغر بلور

حق بیں ہیں حق شناس ہیں یزداں پرست ہیں
ہشیار کیوں نہ ہوں مئے عرفاں سے مست ہیں

اسی سلسلہ میں یہ بیت بھی ملاحظہ ہو

روئے ہیں فوقِ شہ عالیجناب ہیں ۔۔۔ نرگس کے پھول تیر رہی ہیں گلاب ہیں

عمر ابن سعد فوج کو حضرت علی اکبر کو شہید کر دینے کے لئے آمادہ کرتا ہے جنگ شروع ہوتی ہے۔ حضرت علی اکبر رجز خوانی کرتے ہیں اور

شجاعت و جرأت

بعد ستائشِ اب وجد شیر نر بڑھا ۔۔۔ ہٹتی ہوئی گھٹا کی طرف جوں قمر بڑھا
لاکھوں تھے پر نہ ایک ادھر سے ادھر بڑھا ۔۔۔ جرار تیغ تولے ہوئے لے سپر بڑھا
یوں خندہ رو گیا وہ جری رزمگاہ میں
جاتا ہے جس طرح کوئی اپنی سپاہ میں

حضرت علی اکبر فوج شام کے مقابلہ میں پہونچتے ہیں

گھوڑے اور تلوار کی تعریف

اکبار دست پاک میں لی اسپ کی لجام ۔۔۔ پھرنے لگا نظر کے اشارے پہ خوشخرام
سرعت وہ رخش کی وہ درخشانی حسام[1] ۔۔۔ اک برق کوندتی تھی میانِ سپاہ شام
سرعت نثار تھی کہ چلن بادپا کا تھا
بجلی کی تھی جو تیغ تو گھوڑا ہوا کا تھا

حضرت علی اکبر کی شمشیر خارا شگاف کے جوہر ملاحظہ ہوں۔

---

[1] حسام بمعنی تلوار

نقشہ جنگ

بڑھتے تھے یوں کہ شیر جھپٹتا ہے جس طرح ہٹتے تھے دل کہ ابر سمٹتا ہے جس طرح
ہاتھ اڑتے تھے شجر کوئی چھنٹتا ہے جس طرح یا زرم خامہ تیغ سے کٹتا ہے جس طرح

آفت کا کاٹ قہر کا خم منہ بلا کا تھا
سب رنگ ڈھنگ ضربت مشکلکشا کا تھا

حضرت علی اکبر کی تیغ خوں آشام نے میدان کربلا کو لاشوں سے بھر دیا ہے۔ اس موقع پر ایک بیت ملاحظہ ہو۔

بہتا تھا خوں زمیں پہ جو اہل خلاف کا
فرط خوشی سے سرخ تھا چہرہ مصاف کا

تلوار کی صفائی ملاحظہ ہو۔

تلوار کی صفائی

پھول اڑ گئے پھل اس کا جو چمکا سپر کے پاس نکلی ادھر سپر سے کہ آ پہنچی سر کے پاس
سر سے اتر گئی دل بیداد گر کے پاس دل سے جگر کے پاس جگر سے کمر کے پاس

کھولا کمر کا بند تو در آئی زین میں
زیں سے گئی فرس میں فرس سے زمین میں

حریف کی ہزیمت کے متعلق ایک بیت خوب ہے۔

کشتوں پہ پشتے لاشوں پہ لاشوں کا بار تھا
عصیاں کا اس پہ بوجھ غضب کا فشار تھا

لے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ

اسی سلسلۂ بیان میں ایک بیت ملاحظہ ہو۔

جوہر سے اس کا جسم جواہر نگار تھا
گویا گلے میں حور کے ہیرے کا ہار تھا

تلوار کی تعریف

وہ تیغ جب بڑھی صفِ اشرار ہٹ گئی ۔ چمکی جو برق ڈھالوں کی بدلی سمٹ گئی
دم بھر میں یوں صفوں کو الٹ کر پلٹ گئی ۔ رن کی زمین لہو کے ڈریڑوں[1] سے کٹ گئی

دریا بھی آب تیغ سے بے آبرو ہوا
غل تھا کہ لو فرات کا پانی لہو ہوا

فوج شام کا ایک مشہور تہمتن عمر سعد سے حضرت علی اکبر کے سر لانے کا وعدہ کرتا ہے ۔ اور سلسلہ بیان میں کہتا ہے

پیدا کیا ہے نام ہزاروں کو مار کے
اترونگا اب فرس سے سر اس کا اتار کے

عمر سعد سے رخصت ہو کر حضرت علی اکبر کے سامنے آتا ہے ۔ لیکن آپ کے چہرے سے جلال حق نمودار دیکھ کر کانپ اٹھتا ہے۔

وہ خود جس کو دیکھ کر مرحب[2] ہو سر نگوں ۔ کیفِ شرابِ غیظ سے آنکھیں دو جام خوں
قتال و بدفراج و مہیب و سیہ دروں ۔ یکتاش و خیلتاش سر توش میں فسروں

تیغ و سناں میں رشکِ نریمان و گیو تھا
کہنے کو آدمی یہ حقیقت میں دیو تھا

[1] یعنی خون کا سیلاب [2] ایک پہلوان کا نام جو حضرت علی کے ہاتھ سے قتل ہوا

ہٹ کر بڑھا لرز کے جو سنبھلا وہ پُر غرور
بولے یہ مسکرا کے علی اکبرِ غیور

آمد میں وہ شکوہ و تعلّی وہ مکر و زور
گر جا تھا اس قدر تو برسنا بھی تھا ضرور

سرکش زمین پہ گر کے سنبھلتا نہیں کبھی
نخل غرور پھولتا پھلتا نہیں کبھی

معرکہ آرائی

تو لاشقی نے سنتے ہی یہ گرزِ گاؤ سر
اکبر نے دوشِ پاک سے لی ہاتھ میں سپر

آیا اُدھر سے گرز ادھر سے چلا تبر
دور ہو گیا عمود مثالِ خیار تر

گرز اس طرح نکل گیا پنجے سے چھوٹ کے
سمجھے یہ سب زمین پہ گرا ہاتھ ٹوٹ کے

رکھکر تبر نیام سے لی تیغِ شعلہ ور
نعرہ آ کے خود امان نے صدا دی کہ الحذر

بھالے کے ہاتھ بھول گیا سب وہ خیرہ سر
یہ بھی اُدھر تھے پھرتا تھا نیزہ جدھر جدھر

جاتا کدھر یہ تیغ سے جائے اماں نہ تھی
دیکھا جو غور سے تو سناں کی زباں نہ تھی

حریف کچھ دور پیچھے ہٹ کر تیر سر کرتا ہے لیکن حضرت علی اکبر تلوار سے دو ٹکڑے کر دیتے ہیں۔

معرکہ آرائی

خادم نے تیر جوڑ کے دی دوسری کماں
نیزہ اُٹھا کے شیر نے آواز دی کہ ہاں

سینہ اُدھر اُٹھی تھی کہ چمکی ادھر سناں
بھالے کی نوک جھونک نئی تھی نئی تکاں

سمجھا یہ دل کہ بن گئی موذی کی جان پر
ناوک زمین پہ تھا تو کماں آسماں پر

ہاں اے محیط طبع روانی دکھا مجھے
پیری میں زور شور جوانی دکھا مجھے
ہاں اے زبان سیف زبانی دکھا مجھے
اے نطق آج سحر بیانی دکھا مجھے
تلواریں کھنچ گئیں دم تیغ آزمائی ہے
آفت کا معرکہ ہے غضب کی لڑائی ہے

دو بجلیاں سی کوند کے گرتی ہیں بار بار
ڈھالوں کے پرزے اڑتے ہیں رہو رہے ہیں وار
طاؤس ہیں ہرن ہیں چھلاوہ ہیں راہوار
لشکر ہے اک زباں کہ یہ جرأت ہے یادگار
ظالم اُدھر شبیہِ[1] رسول زمن اِدھر
مرحب[2] ہے اس طرف شہِ خیبر[3] شکن اِدھر

خالی گئیں سنبھی ہوئیں چوٹیں جو اس کی سب
منہ کو پھرا پھرا کے شقی کاٹتا تھا لب
تلوار کو اٹھا کے پکارا وہ شیر تب
ہشیار او شریر اجل آتی ہے سر پہ اب
مہلت ابھی ہے تیغ و سپر کو سنبھال لے
باقی ہو کچھ ہوس تو اُسے بھی نکال لے

حریف پست ہو چکا ہے حضرت علی اکبر سے کہتا ہے۔ کہ میں پیاس کی وجہ سے بیحال ہوں اگر آپ اجازت دیں تو پانی پی لوں۔ حضرت علی اکبر خود تین دن کے پیاسے تھے۔ اور دشمن کو اس حالت میں وقفہ دینا آئین جنگ کے خلاف تھا۔ لیکن آپ کے اخلاق نے اس ننگ کو گوارا نہ کیا کہ دشمن کی درخواست رد کردی جائے۔ چنانچہ آپ نے اجازت دیدی

---

[1] یعنی حضرت علی اکبر آپ حضور سرور کائنات سے بہت مشابہ تھے اس لئے شبیہ رسول زمن کہا۔

[2] ایک مشہور پہلوان جو حضرت علی کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ [3] حضرت علی کا خطاب ہے۔ آپ نے قلعہ خیبر فتح کیا تھا۔ اس لحاظ سے یہ خطاب دیا گیا۔

لے آیا آپ سامنے خادم بصد شتاب
پانی پہ گر گرا وہ کہ تھی ضبط کی نہ تاب
ظالم نے سامنے جو پیا ڈگڈگا کے آب
پیاسے تھے تین دن کے ہوا دل کو اضطراب
تڑپا جو قلب چشم کے ساغر چھلک پڑے
اٹھا دھواں جگر سے کہ آنسو ٹپک پڑے

حریف سیراب ہو کر حضرت علی اکبر سے کہتا ہے۔ کہ آپ بھی پانی پی لیں۔ آپ انکار فرماتے ہیں اس لئے کہ امام تشنہ کام ہیں۔

سنکر برس پڑا وہ جفا کار و بد گہر
رد کر کے سارے وار پڑھا شاہ کا پسر
لہرا رہی تھی فرق پہ وہ ماہی ظفر[1]
مارا جو ہاتھ برق سی کوندی قریب سر
چھوڑا سوار کو نہ فرس کو نہ تنگ کو
اک شور تھا کہ کھا گئی مچھلی نہنگ کو

منہ پھیر کر حسین کی جانب جو کی نظر
دیکھا زمیں پہ سجدے میں ہیں شاہ بحر و بر
فریاد کی کہ اے خلف سیّد البشر
نزدیک ہے کہ پیاس سے شق ہو دل و جگر
موت آئے اب تو روح کو راحت نصیب ہو
کیجے دعا کہ جلد شہادت نصیب ہو

اس قدر عرض کرنے کے بعد آپ بڑی شدت سے پھر حملہ کر دیتے ہیں۔ لیکن کثرت سپاہ سے مجبور ہیں۔ آخر خود بھی زخموں میں چور ہو جاتے ہیں۔

مجروح شبیر بیچ میں تھا اس ہجوم کے
نیزے پہ نیزے کھا رہے تھے جھوم جھوم کے

جناب امام حسین کے گوش مبارک میں فرزند کی صدائے دردناک آتی ہے

[1] استعارہ کیا ہے۔ تلوار سے۔

لطف تمثیل

پہنچی یہ جاں گزا جو صدا گوش شاہ میں
دنیا سیاہ ہو گئی شہ کی نگاہ میں
دوڑے گرے اُٹھے کئی جا اتنی راہ میں
آئے جگر کو تھامے ہوئے قتل گاہ میں

چاروں طرف جلال میں جاتے تھے اسطرح
بچّے کو کھو کے شیر تڑپتا ہے جس طرح

ناگاہ حضرت علی اکبر ایک جانب سے آواز دیتے ہیں

درد جگر کہیں نہ اجل کا بہانہ ہو
دیدار دیکھ لے تو مسافر روانہ ہو

جناب امام حسین قریب پہنچکر دیکھتے ہیں۔ کہ فرزند خاک و خون میں غلطاں اور بیہوش ہے۔ آپ کی آنکھوں میں عالم سیاہ ہو جاتا ہے۔ یکایک حضرت علی اکبر کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ آپ ضعف اور شدت تشنگی کی وجہ سے کچھ کہہ نہیں سکے لیکن سوکھی زبان دکھاتے ہیں۔ اور رُوح پرفتوح ملاء اعلیٰ کی طرف پرواز کر جاتی ہے۔

غم فرزند

دشمن کو بھی دنیا میں نہ اولاد کا غم ہو
سب دُکھ ہوں مگر آنکھوں کی بینائی نہ کم ہو
ماں باپ یہ صدمہ ہو مصیبت ہو ستم ہو
لیکن نہ جواں بیٹے کے مرنے کا الم ہو

پھرتی ہے صدا شکل پسر دیدۂ تر میں
اک آگ سی ہر وقت بھڑکتی ہے جگر میں

اسی سلسلہ میں پھر فرماتے ہیں

سب خاک ہے جب گود کا پالا ہی نہ ہووے
اندھیر ہے جب گھر کا اجالا ہی نہ ہووے

ہے باپ کو پیغام اجل رحلتِ فرزند　　ہو جاتا ہے دل زخمی جدا جب ہو جگر بند
پیوند کلیجے کا ہو جب خاک کا پیوند　　کیا خاک ہو وہ سوختہ جاں خرّم و خورسند
کیوں بھڑکے نہ آتش دلِ صد چاک کے اندر
جو چھاتی پہ لوٹے وہ چھپے خاک کے اندر

مرثیہ نگار حضرت امام اور حضرت علی اکبر کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے۔

یہ داغ کوئی حضرتِ شبیر سے پوچھے
یہ درد کوئی بانوئے دلگیر سے پوچھے

غم فرزند

شبیرّ پہ ڈالی ہے فلک نے یہ مصیبت　　فرزند جواں مانگتا ہے مرنے کی رخصت
نہوڑائے ہوئے سر کو کھڑے روتے ہیں حضرت　　ہے دھیان کہ لٹ جائیگی اک عمر کی دولت
کچھ سوچ کے جب دیکھتے ہیں روئے پسر کو
ہاتھوں سے پکڑ لیتے ہیں شبیر جگر کو

اب ہاتھ ذرا دل پہ رکھیں صاحبِ اولاد　　انصاف سے حضرت کی مصیبت کو کریں یاد
دولت پسر فاطمہ کی ہوتی ہے برباد　　حضرت کو ہے گو ضبط پہ دل کرتا ہے فریاد
یوں ہے جگرِ حضرتِ شبیرّ تڑپتا
جس طرح ہے بسمل تہ شمشیر تڑپتا

جناب امام بیٹے کے اصرار سے مجبور ہو کر کہتے ہیں کہ اچھا خیمہ میں اپنے ماں اور پھوپھی سے تو مل آؤ۔ حضرت علی اکبر عرض کرتے ہیں۔ کہ جب تک حضور اجازت مرحمت نہ فرمائینگے۔ حرم سرا میں نہ جاؤنگا۔ والدہ کسی طرح اجازت نہ دینگی۔

شہ نے کہا ماں روئیگی اس کا تمہیں ڈر ہے　　اور دل کی ہمارے نہیں کچھ آہ خبر ہے
گر ماں کا وہ دل ہے تو ہمارا بھی جگر ہے　　کیا میری تباہی تمہیں منظور نظر ہے
جو چاہو کہو جائے شکایت نہیں بیٹا
ہاں ماں کے برابر ہمیں الفت نہیں بیٹا

پھر فرماتے ہیں۔

تم باپ کی الفت نہیں اے لال سمجھتے
اولاد جو ہوتی تو مرا حال سمجھتے

جناب امام حسین کسی طرح اجازت دینے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

واقعہ نگاری

ناچار ہوئے باپ کی تقریر سے اکبر　　آنکھوں میں بھر اشک گئے خیمہ کے اندر
مادر نے بلائیں لیں کہا اے مرے دلبر　　کس بات پہ تم روتے ہو صدقے گئی مادر
مجھ سے کہو گر شہ کا ادب کرتے ہو بیٹا
کس چیز کو بابا سے طلب کرتے ہو بیٹا
یہ کیا ہے کمر کھولتے ہو کیوں مجھے بتلاؤ　　لو غصہ کو جانے دو میں قربان گئی آؤ
اب اشکوں کو پونچھو مجھے اے لال نہ رلواؤ　　حضرت[1] کو بلاتی ہوں میں اک لحظہ ٹھہر جاؤ

[1] امام حسین علیہ السلام

پوچھوں گی کہا کیا جو مرا لال خفا ہے
آزردہ کیا تم کو مجھے شاہ سے گلا ہے

جذبۂ ایثار

اکبر نے کہا ان کی اجازت نہیں ملتی سب قتل ہوئے اور ہمیں رخصت نہیں ملتی
دکھ درد سے سر دے کے فراغت نہیں ملتی ہوں جس کا طلبگار وہ دولت نہیں ملتی
افسوس کہ لڑکے تو شریکِ شہدا ہوں
ہم والد ماجد پہ نہ میدان میں فدا ہوں

پھر عرض یہ کی کرتی ہیں گر آپ مجھے پیار دلوایئے مرنے کی رضا مادرِ غمخوار
میں نے کبھی کچھ آپ سے مانگا نہیں زنہار پر آج سفارش کا ہوں بابا سے طلبگار
بیٹے کی جوانی کا نہ تم غم کرو اماں
اب ہم کو نثارِ شہ عالم کرو اماں

یہ ذکر تھا جو خیمہ میں داخل ہوئے سرور رونے لگے گردن کو جھکا کر علی اکبر
کچھ بن نہ پڑی کہنے لگی بانوئے مضطر روتے ہیں بڑی دیر سے ہمشکل پیمبر
غیرت تو مرے لال کی مشہور ہے صاحب
اب کیجیے وہی جو انہیں منظور ہے صاحب

چھاتی سے لگا کر یہ پکارے شہ ابرار اے لال ہمیں کرتے ہو تم بیکس و ناچار
لو روؤ نہ جاؤ سوئے میداں مرے دلدار راضی برضا ہم ہیں جو کچھ مرضی غفار
مادر کو تری صبر خدا دے ترے غم میں
در پیش یہی راہ ہے ہم کو کوئی دم میں

القصہ حضرت علی اکبر سب سے رخصت ہو کر میدان جنگ میں پہنچتے ہیں

کیا صبر ہے دیکھو پسر فاطمہ کا دل		دل دیکھنے والوں کے ہوئے جاتے ہیں بسمل
شبیر کا احوال ہے اب رونے کے قابل		سینے سے کلیجے کا جدا کرنا ہے مشکل
کیا قہر ہے مرجائے جو لخت جگر ایسا
ہاتھوں سے گنوایا نہیں جاتا پسر ایسا

حضرت علی اکبر مصروف جنگ ہوتے ہیں۔

چمکا کے جو شمشیر دھنسے فوج عمر میں
اک برق غضب کوند گئی سب کی نظر میں

سر تن پہ نہ تھا جس نے کیا جنگ کا آہنگ		جو چار ہوا بس وہیں وہ ہو گیا چور رنگ
سب خون سے میدان وغا ہو گیا گلرنگ		دو روز کے فاقے میں یہ اُس شیر نے کی جنگ
لڑتا تھا پسر جان پہ حضرت کے بنی تھی
یاں برچھیاں چلتی تھیں وہاں تیغ زنی تھی

جناب امام در خیمہ کے قریب فرزند کی جدائی میں مغموم و پریشاں کھڑے۔
ناگاہ فوج شام سے نعرہ فتح بلند ہوا۔

جذبات نگاری

بانو سے خبر دار کہ اکبر گئے مارے		بیتابی میں زینب کو یہ شبیر پکارے
کیا جانئے جیتے ہیں کہ دنیا سے سدھارے		خیمے سے نکل آئے نہ وہ پیچھے ہمارے
قوت تو وہ سب لے گئے بابا کے جگر کی
لاش اُٹھیگی کس طرح برابر کے پسر کی

حضرت امام حسین فرزند کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ لیکن یہ عالم ہے۔ کہ آنکھوں سے کچھ سجھائی نہیں دیتا قدم قدم پر ضعف ونقاہت شدّت غم والم سے غش سا آجاتا ہے۔ آپ اسی حالتمیں فرزند کے قریب پہنچکر دیکھتے ہیں کہ فرزند کا کام تمام ہو چکا۔

کرتا ہے سفر یوسف شاہنشہِ عالی　　کنعاں حسین ابنِ علی ہوتا ہے خالی
تقدیر نے حسرت بھی نہیں کوئی نکالی　　ہاتھوں سے جگر تھامے ہے ماں پالنے والی
کرتی ہے نظر یاس سے جب روئے پسر پہ
چل جاتی ہے اک ظلم کی برچھی سی جگر پہ

مرقع نگاری

حال اپنا اشاروں میں جو ماں کرتی ہے اظہار　　رہ جاتا ہے رو کر پسر بیکس و ناچار
رخصت جو طلب باپ سے کرتا ہے وہ دلدار　　فرماتے ہیں حضرت کہ سجو جنگ کے ہتھیار
فرزند بھی گھربار بھی سب نذر خدا ہے
مادر سے کہو باپ تو راضی برضا ہے
بانو[1] نے کہا زینب بیکس سے کہ ہمشیر　　سنتی ہو یہ تم باپ کی اور بیٹے کی تقریر
ہر بات ہے یہ میرے کلیجے کے لئے تیر　　میں کیا کروں کچھ مجھ کو بن آتی نہیں تدبیر
اکبر سے محبت کے گلے مجھکو بڑے ہیں
ہے پاس ادب سبطِ نبی پاس کھڑے ہیں

حضرت شہر بانو فرزند کے متعلق جناب زینب سے کہتی ہیں۔ کہ آپ رُک گئے

[1] حضرت علی اکبر والدہ

حضرت زینب جواب میں فرماتی ہیں

رخصت نہ اگر دوگی تو قدموں پہ جھکے گا
یہ صاحب غیرت نہ رکے گا نہ رکے گا

واقعہ نگاری

بانو سے بھی زینب سے بھی کہنے لگے سرور　　کیا کہتے ہو جائے کہ نہ جائے علی اکبرؑ
چپ رہ گئیں زینبؑ تو کلیجے کو پکڑ کر　　بانو نے کہا حکم سے لونڈی نہیں باہر
میں جان گئی بیٹے کی اور باپ کی مرضی
مختار ہو صدقے گئی جو آپ کی مرضی

جذبۂ ایثار

ہے کام کا وہ ان میں جو کام آپکے آئے　　ارشاد جسے کیجئے وہ مرنے کو جائے
فرماؤ تو لونڈی علی اصغرؑ کو بھی لائے　　حسرت ہے کہ مادر انہیں نوشاہ بنائے
پر غم نہیں اس کا بھی کہ یہ ہمسے جدا ہوں
اب تو یہی شادی ہے کہ حضرت پہ فدا ہوں

درس تسلیم و رضا

شہ نے کہا کیا کہنا ہے واللہ تمھارا　　ہوتا نہیں یہ داغ کسی ماں کو گوارا
ہاتھوں سے نہ کھوئے کوئی اس طرح کا پیارا　　کس صبر سے اس راہ میں فرزند کو وارا
ہر دکھ میں ہر اک رنج میں راضی برضا ہیں
یہ کام انہیں کا ہے جو خاصان خدا ہیں

اسی سلسلہ بیان میں ارشاد ہوتا ہے۔

آفت تو ہے فرزند کا دنیا سے گذرنا
انسان کو لازم ہے مگر صبر بھی کرنا

پھر فرماتے ہیں

برسوں سے یہی رنگ گلستاں جہاں ہے
جس گل پہ بہار آج ہے کل اس پہ خزاں ہے

درسِ عبرت و بے ثباتی

مرتا ہے جواں سامنے اور دیکھتے ہیں پیر　　ماں باپ کا کیا زور ہے جو خواہش تقدیر
سر پیٹ کے فریاد کرے مادرِ دلگیر　　جز صبر بن آتی نہیں لیکن کوئی تدبیر
آرام جسے دیتے ہیں چھاتی پہ سُلا کر
رکھ آتے ہیں ہاتھوں سے اُسے قبر میں جا کر

مٹی سے بچاتے ہیں سدا جسکا تنِ پاک　　اس گل پہ گرادیتے ہیں خود سینکڑوں من خاک
اور جسے عریاں نہیں کرتی تہِ افلاک　　وہ قبر میں سوتا ہے دھری رہتی ہے پوشاک
تربت میں کوئی پوچھنے والا نہیں ہوتا
شمعیں بھی جلاؤ تو اجالا نہیں ہوتا

منشاء الٰہی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ہاں دخل ہمیں مرضی معبود میں کب ہے
واں ہم سے بھی پہلے علی اکبر کی طلب ہے

حضرت شہر بانو اپنے شوہر جناب امام حسین کے جواب میں کہتی ہیں۔

خوشنودی خالق جو مجھے مد نظر ہے　　صدقے گئی یہ آپ کی صحبت کا اثر ہے

جناب امام حضرت علی اکبر سے کہتے ہیں کہ اپنی پھوپھی سے بھی اجازت تو لو۔ ہر چند کہ علی اکبر کو اپنے بچوں کی طرح پالا تھا۔ اور اس کے حقوق مسلم تھے۔ لیکن محل و موقع کے اعتبار سے (بقول مرثیہ نگار) جناب زینب نے جو کچھ جواب دیا۔ وہ کسی طرح مناسب نہ تھا۔ بھتیجا باپ پر سر تصدق کرنے کے لئے جا رہا ہے۔ امام کے عزیز اور احباب شہید ہو چکے۔ خود حضرت زینب کے دو فرزند بھی جام شہادت نوش کر چکے ہیں۔ ایسے حالات کے ہوتے ہوئے طنزیہ جملے بالکل غیر موزوں معلوم ہوتے ہیں۔ چند بند باعتبار زبان خوب ہیں۔ مثالاً پیش کئے جاتے ہیں

طنزیہ

زینب نے کہا جس میں رضائے شہِ عالی میں نے تو کوئی بات نہیں منہ سے نکالی
کیا غم ہے نہ پوچھا مجھے ان سے تو رضا لی مالک ہیں وہی میں تو ہوں اک پالنے والی
صدقے گئے فرزند پھوپھی سوگ نشیں ہے
سمجھیں تو مرا حق ہے نہ سمجھیں تو نہیں ہے

اسی سلسلۂ بیان میں ایک جگہ فرماتی ہیں

سر سبز ہو جو نخل اوکھاڑا نہیں جاتا
ہاتھوں سے چمن اپنا اوجاڑا نہیں جاتا

حضرت زینب کی پر درد تقریر نے حضرت شہربانو کو از خود رفتہ بنا دیا۔ آپ کی اس حالت کی تصویر مرثیہ نگار نے ان لفظوں میں کھینچی ہے۔

نہ دھیان سکینہ کا نہ اصغر کی خبر تھی
زینب پہ کبھی اور کبھی اکبر پہ نظر تھی

آخر بصد دشواری حضرت علی اکبر کو اجازت ملگئی

لطفِ استعارہ

تسلیم کو خوش ہو کے جھکے اکبرِ ذیجاہ　　دل تھام کے غش ہو گئی بنتِ اسد اللہ
کانپے فلک اس درد سے شبیر نے کی آہ　　ماں ڈیوڑھی تک روتی گئی بیٹے کے ہمراہ
خیمے سے پدر ساتھ پسر کے نکل آیا
خورشید بھی ہمراہ قمر کے نکل آیا

گھوڑے پہ چڑھے شاہ سے رخصت ہوئے اکبر　　فرزند ید اللہ[1] سے رخصت ہوئے اکبر
کس صدمۂ جانکاہ سے رخصت ہوئے اکبر　　شہ پھرتے نہ تھے راہ سے رخصت ہوئے اکبر
کتنا دل بیتاب کو سمجھاتے تھے شبیر
ہر گام پہ مڑ مڑ کے ٹھہر جاتے تھے شبیر

حضرت علی اکبر میدانِ کربلا میں پہنچتے ہیں اور رجز خوانی کے سلسلہ میں فرماتے ہیں۔

فخریہ

میں اس کا پسر ہوں جو خدا کا ہے شناسا　　فرزند ہوں اس کا جو نبی کا ہے نواسا
جاں اس کی ہوں پانی نہ ملا جسکو ذرا سا　　میں وہ ہوں پدر جس کا ہے دو روز سے پیاسا
دلدار ہوں خاتونِ قیامت کے پسر کا
ٹکڑا ہوں محمد کے کلیجے کا جگر کا

---

[1] یعنی حضرت علی کرم اللہ وجہہ۔

مگر شقی القلب سپاہیوں پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔ جنگ شروع ہوتی ہے۔ حضرت علی اکبر کی شمشیر خاراشگاف نے فوج شام کی صفیں درہم برہم کردیں۔ لیکن آخر آپ مجروح ہو کر زمین پر گر پڑتے ہیں۔ اور شہید کئے جاتے ہیں۔

مرگِ اولاد

اے مومنو اولاد کا مرنا بھی ستم ہے سب غم تو ہیں لیکن یہ عجب طرح کا غم ہے
جو رنج و مصیبت ہو وہ اس صدمے سے کم ہے سوراخ جگر ہوتا ہے جس سے وُہ الم ہے
ممکن نہیں صبر آئے جو ماں باپ کے جی کو
یہ داغ تو اللہ نہ دکھلائے کسیکو

اولاد کی محبّت

ہر شخص کو فرزند بہت ہوتا ہے پیارا اندھا بھی سمجھتا ہے اُسے آنکھوں کا تارا
ماں باپ کو رنج اپنا تو ہوتا ہے گوارا اولاد کا دُکھ دیکھ سکیں یہ نہیں یارا
رہتا ہے ذرا ہوش نہ مادر نہ پدر کو
یہ آگ جلا دیتی ہے واللہ جگر کو

اولاد کے صدمہ مرگ کے سلسلہ بیان میں یہ بیت ملاحظہ ہو۔

گر صبر نہ معبود کی جانب سے عطا ہو
ماں باپ کا احوال خدا جانیئے کیا ہو

پھر کہتے ہیں:۔

مرگِ فرزند

یہ داغ نہ دشمن کو بھی اللہ دکھائے ماں باپ سے فرزند کو خالق نہ چھڑائے
قسمت نہ کسی گھر کا چراغ آہ بجھائے یہ درد کسی کے نہ کلیجے کو دکھائے
آرام اسی درد سے اک دم نہیں ملتا
وہ زخم ہے جس زخم کا مرہم نہیں ملتا

ماں باپ پہ ہے مرگ پسر صدمۂ جانکاہ جینے کا مزا جاتا ہے اس صدمے کے ہمراہ
اندھیر جہاں آنکھوں میں ہوجاتا ہے واللہ اس درد سے سب صاحب اولاد ہیں آگاہ
انساں کے تنِ زار میں طاقت نہیں رہتی
لاریب کہ آنکھوں میں بصارت نہیں رہتی

اسی سلسلہ بیان میں یہ بیت نہایت اثر خیز ہے۔

بے نور ہوں آنکھیں تو تجلّی نہیں ہوتی
سمجھانے سے بھی دل کی تسلّی نہیں ہوتی

مرثیہ نگار یہاں سے جناب امام حسین علیہ السلام کے صبر و ضبط، تسلیم و رضا کا بیان اس طرح شروع کرتا ہے۔

درسِ صبر و تسلیم

اٹھارہ برس کا ہے پسر گیسوؤں والا اک جوگ کما کر جسے مادر نے ہے پالا
مہرِ پدری سے ہے کلیجہ تہ و بالا پابندِ رضا ہیں مگر ایسے شہِ والا
بیٹے کی جوانی کا تاسّف نہیں کرتے
ہے آگ لگی دل میں مگر اُف نہیں کرتے

جناب امام اپنے دل سے مخاطب ہیں اور فرماتے ہیں۔

اولاد کی اُلفت کا نہ کچھ دھیان کرینگے
سب گھر رہِ معبود میں قربان کرینگے

سو بیٹے ہوں ایسے تو خدا اُسکا ہے آگاہ　　مانند خلیل اُن کو میں قرباں کروں واللہ
اکبر جو سدھارینگے میانِ صفِ جنگاہ　　جز شکر نہ نکلے گی مرے منہ سے کبھی آہ
بیٹے کی دم جنگ نہ تائید کروں گا
قربانیٔ اکبر کی تو میں عید کروں گا

مرقع نگاری

زینب کو تو حیرانی ہے بانو کو ہے سکتا　　کچھ کہہ نہیں سکتیں ادبِ شاہ سے اصلا
حاضر علی اکبر بھی ہیں نہوڑائے سر اپنا　　ماں کو کھ جلی ہاتھوں سے پکڑے ہے کلیجا
گہوارۂ اصغر پہ تو سر اس کا دھرا ہے
اور اشکوں کا دریا ہے کہ آنکھوں میں بھرا ہے

ماں کی محبّت

شہ کہتے ہیں فرزند کو مرنے کی رضا دو　　اس وقت محبّت علی اکبر کی اُٹھا دو
خالق کو کرو یاد انہیں دل سے بھلا دو　　ماں کہتی ہے کس طرح کروں صبر بتا دو
گھر دیدہ و دانستہ ڈبویا نہیں جاتا
اکبر سا پسر ہاتھ سے کھویا نہیں جاتا

اب آتما کی آنچ سے جلتا ہے کلیجا　　نے دل کو ہے تسکین نہ سنبھلتا ہے کلیجا
بیتاب ہوں سینے میں اچھلتا ہے کلیجا　　مُنہ سے کوئی ساعت میں نکلتا ہے کلیجا

سمجھی نہیں ہیں کیا مجھے سمجھاتے ہو صاحب
اکبر کو کروں صبر یہ فرماتے ہو صاحب

میں کہ دوں کہ جلادوں میں جائیں علی اکبر
اعدا سے لڑیں برچھیاں کھائیں علی اکبر
تڑپا کرے ماں خوں میں نہائیں علی اکبر
پھر چاند سی صورت نہ دکھائیں علی اکبر

یوں اپنی کمائی کو کوئی کھو نہ سکے گا
مجھ سے تو نہ صاحب یہ کبھی ہو نہ سکے گا

اندازِ بیاں

رخصت یہ عبث مانگتے ہیں سر کو کٹائیں
میں ان کو نہیں روکتی مختار ہیں جائیں
اٹھارہ برس کی مری دولت کو لٹائیں
اس چاند سے سینے پہ سناں ظلم کی کھائیں

مر جاؤں تو مر جاؤں میں پروا نہیں کیا ہے
جوان کی خوشی خیر ہمارا بھی خدا ہے

پھر ایک عالمِ سوز و گداز میں کہتی ہیں۔

مادر کو ضعیفی میں یہ برباد کریں گے
کیا اس کی خبر تھی کہ جواں ہو کے مریں گے

جناب امام فرزند کو سمجھاتے ہیں۔ کہ ماں کی محبت کا خیال کرو۔ جس نے تم پر اپنی ہر راحت اور ہر آرام کو نثار کر کے تمہیں پالا ہے۔ اس قدر ارشاد فرما کر خود عازمِ میدانِ کارزار ہوتے ہیں۔ اور حضرت امام حسین جیسے شوہر کو آمادۂ شہادت دیکھ کر حضرت شہر بانو بیقرار ہو جاتی ہیں۔ دل سے ایک آواز آتی ہے۔ کہ

فرزند کو مرنے دو کہ موقع یہی اب ہے
گل ہوگئی گر شمع امامت تو غضب ہے

حضرت شہر بانو کو خیال ہوتا ہے۔ کہ مجھ سے یہ سخت خطا ہوئی کہ بیٹے کی محبت کے مقابلہ میں شوہر محرم یعنی جناب امام حسین کا کچھ پاس نہ کیا۔ اس لئے اظہار ندامت کے طور پر عرض کرتی ہیں

جذبہ ندامت و ایثار

ہیں آپ خطا پوش جہاں ای شہ ذی جاہ　　میں لونڈی ہوں اب میرا گنہ بخشئے للّٰہ
اکبر کی جوانی کی قسم کھاتی ہوں یا شاہ　　تم قطع زباں کیجو اگر منہ سے کروں آہ
اب خالق اکبر ہی کو میں یاد کروں گی
تڑپوں گی نہ روؤں گی نہ فریاد کروں گی

جناب امام عالی مقام ارشاد فرماتے ہیں کہ میں تم سے آزردہ نہیں ہوں۔ تمہاری محبت کا تقاضا یہی تھا۔ اور میری بھی یہی تمنا تھی کہ علی اکبر سے پہلے مجھے شہادت نصیب ہو۔ لیکن میں جانتا ہوں کہ منشاء الٰہی یہی ہے۔ الغرض حضرت علی اکبر کو اجازت مل جاتی ہے۔

کہتے ہیں۔ کہ حضرت علی اکبر حضور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے بالکل مشابہ تھے۔ اس لئے فرزند کو رخصت کرتے ہوئے جناب امام فرماتے ہیں

ترسیں گے زیارت کو رسولِ عربی کی
رخصت یہ تمہاری نہیں رخصت ہے نبی کی

حضرت علی اکبر میدانِ کارزار میں پہنچکر دادِ شجاعت دیتے ہوئے مجروح

ہو جاتے ہیں۔ اور جب سنبھلنے کی تاب باقی نہیں رہتی۔ تو جناب امام کو بآواز بلند پکارتے ہیں۔ جناب امام فرزند کی آواز سُنکر قریب پہنچتے ہیں۔ اور مجروح فرزند کو فرش خاک سے اٹھاکر خیمہ عصمت میں لاتے ہیں۔ حضرت شہر بانو جب اس عالم میں اپنے دلبند کو دیکھتی ہیں تو بیقرار ہو جاتی ہیں۔ اور اس طرح فرماتی ہیں۔ کہ

اماں ترے اس ابروئے خمدار کے صدقے　　اس خون میں ڈوبے ہوئے رخسار کے صدقے
اس کاکل مشکیں کی ہر اک تار کے صدقے　　اس شان کے اس حسن ضیا بار کے صدقے
دو روز کی اس تشنہ دہانی کے فدا ہیں
اے شیر مرے تیری جوانی کے فدا ہیں

ماں کی آواز سُنکر حضرت علی اکبر آنکھیں کھولدیتے ہیں۔ ایک حسرت بھری نظر ماں کے چہرے پر ڈالتے ہیں۔ اور جان نذرِ جاں آفریں کردیتے ہیں۔

غمِ برادر

جب بادبانِ کشتیِ شاہِ اُمم گرا　　یعنی زمیں پہ فوج خدا کا علم گرا
گھوڑے سے واں برادر عالی ہمم گرا　　یاں فاطمہ کے لال پہ کوہِ الم گرا
صدمہ ہوا یہ دل پہ امام انام کے
خم ہو گئے کلیجے کو ہاتھوں سے تھام کے

محاکات

بجتا تھا واں سپاہ میں نقّارۂ ظفر　　ماتم تھا نوجوانی عبّاس کا اِدھر
بیٹھے تھے فرش خاک پہ سلطانِ بحر و بر　　اکبر کھڑے تھے سامنے جھکائے سر

پاسِ ادب سے شاہ کے کچھ کہہ نہ سکتے تھے
چہرہ تھا سُرخ آنکھوں سے آنسو ٹپکتے تھے

حضرت علی اکبر حضرت امام کی خدمت میں اذنِ جنگ طلب کرتے ہیں۔

شہ نے کہا خوشی ہے بہر حال خاکسار تم سے جو سو پسر ہوں تو اس راہ میں نثار
پر میں نہ دونگا رخصتِ میدانِ کارزار اس امر میں تمہاری پھوپھی کو ہے اختیار
راضی ہوں وہ تو داغ اُنہیں دیکے جائیے
پالا ہے جس نے اُس سے رضا لیکے جائیے

جذبۂ ایثار و محبّت

خیمے میں آئے روتے ہوئے اکبرِ حزیں چھاتی لگایا ماں نے پھوپھی نے بلائیں لیں
اک آہ سرد بھر کے یہ بولا وہ مہ جبیں نرغے میں ظالموں کے اکیلے ہیں شاہِ دیں
روتے ہیں غیر سید والا کے حال پر
امّاں مقام رحم ہے بابا کے حال پر

پھر عرض کرتے ہیں۔

مظلوم باپ آنکھوں کے آگے ہلاک ہو
بیٹا جوان ہمسا نہ پیوند خاک ہو
تقدیر نے کیا نہ شہادت سے بہرہ یاب اچھا مرینگے بعد شہِ آسماں جناب
ہم بھی نہیں اگر نہیں فرزند بوتراب ذرّہ کہاں غروب ہوا جب کہ آفتاب
دنیا کا نور نیّرِ اعظم کے ساتھ ہے
اپنی تو زندگی شہِ عالم کے ساتھ ہے

اسی سلسلۂ بیان میں حضرت علی اکبر کہتے ہیں

شہ ہاتھ اُٹھائیے اب نور عین سے
اماں ہمیں عزیز نہ کیجے حسین سے

پھر عرض کرتے ہیں۔ کہ اگر آپ مجھے سرفروشی کی اجازت نہیں دیتے ہیں۔ تو اس قدر اجازت دیجئے کہ میں یہاں سے کسی طرف چلا جاؤں۔ اس کے بعد کہتے ہیں۔ کہ

پوچھیں جو دوستان مدینہ مری خبر　　کہہ دیجیو نہ آئینگے اب وہ کبھی ادھر
صدقے امام دیں پہ ہوئے سارے نامور　　کچھ اُن سے ہو سکی نہ مددگاری پدر
بستی بسا کے رن میں شہ کربلا رہے
کنبہ سے منہ چھپا کے وہ جنگل میں جا رہے

حضرت علی اکبر کی والدہ حضرت شہر بانو جواب میں ارشاد فرماتی ہیں

دنیا میں کوئی شخص لگاتا ہے گر شجر　　ہوتی ہے یہ امید کہ دے گا کبھی ثمر
بالفرض یہ جہاں میں نہ پھولے پھلیگا گر　　خوش ہونگے اس درخت کے سایہ میں بیٹھکر
کچھ تو ملے ہمیں بھی ثمر اس نہال کا
صدقے گئی ریاض ہے اٹھارہ سال کا

حضرت زینب کا یہ حال ہے کہ جب سے حضرت علی اکبر کی زبان سے کلام رخصت سنا ہے۔ تصویر حسرت و حیرت بنگئی ہیں۔ حضرت علی اکبر کی والدہ حضرت شہر بانو فرزند سے کہتی ہیں

سر کی نہ کچھ خبر ہی نہ چادر کا ہوش ہے　　واری یہ پالنے کی محبت کا جوش ہے

حضرت علی اکبر پھوپھی کی خدمت میں عرض کرتے ہیں۔ کہ اگرچہ آپ طلب اجازت سے ناخوش ہیں،

لیکن جہاں سے آج گذرنا ہی خوب ہے

آپ کو لرزہ براندام دیکھکر حضرت شہر بانو نے ارشاد کیا۔

کیوں کانپتے ہو اشک ہیں آنکھوں سے کیوں رواں — تم راست گو ہو سچ ہے تمہارا یہ سب بیاں
لو میں نے دی رضا تمہیں اے مرے نوجواں — تم جاؤ آگے صدقے گئی یہ تمہاری ماں
یوں تو تمام گھر کو محبت ہے آپ سے
کچھ ماں کا حق بھی کم نہیں ہوتا ہے باپ سے

ماں کی مامتا

آنکھیں بچھائیں ماں نے جو تم گھٹنیوں چلے — تلوؤں سے اس نے دیدہ حق بیں بہت ملے
نازوں سے منتوں سے مرادوں سے تم پلے — صدقے ہوئی کبھی تو لگایا کبھی گلے
مادر نے اپنی عمر مصیبت میں کھوئی ہے
برسوں یہ بی بی ایک ہی کروٹ سے سوئی ہے

جناب امام عالیمقام خیمہ عقب میں نزول اجلال فرماتے ہیں۔ حضرت زینب اور حضرت شہر بانو کو بحالِ پریشاں دیکھکر اس طرح ارشاد ہدایت فرماتے ہیں۔

آیا بنائے ہستی انسان میں جب خلل — روتا ہے بے حصول کہ ہے سعی بے محل
جاتا ہے کوئی آج جہاں سے تو کوئی کل — روؤ کہ خاک اڑاؤ نہیں چھوڑتی اجل
نے فاطمہ رہیں نہ امیر عرب رہے
ہمشکل جنکے یہ ہیں وہ دنیا میں کب رہے

الغرض حضرت علی اکبر کو اجازت ملجاتی ہے۔

جب بہرِ جنگ اکبرِ شیریں سخن چلے
بانو پکاری لے مرے گل پیرہن چلے
واری اوجاڑ کر کے ہمارا چمن چلے
پیچھے جواں پسر کے امامِ زمن چلے
پردا اوٹھا جو خیمۂ گردوں پناہ کا
اِک برج سے طلوع ہوا مہر و ماہ کا

حضرت علی اکبر رخصت ہو کر میدانِ جنگ میں پہنچے۔ اور

معرکہ آرائی

پڑھکر رجز دلیر در آیا سپاہ میں
گویا جھپٹ کے شیرِ نر آیا سپاہ میں
ہل چل ہوئی جری جدھر آیا سپاہ میں
خیبر کا معرکہ نظر آیا سپاہ میں
بجلی خدا کے قہر کی تھی یا حسام تھی
پہلے ہی وار میں صفِ اول تمام تھی

نقشۂ جنگ

سر لوٹتے تھے برچھیوں والوں کے ہر طرف
ٹکڑے پڑے تھے دشت میں بھالوں کے ہر طرف
پامال تھے سوار رسالوں کے ہر طرف
پرکالے اُڑتے پھرتے تھے ڈھالوں کے ہر طرف
خاطر نشاں نہ تھی کسی آفت نشان کی
انبار تھیں کٹی ہوئیں شاخیں کمان کی

معرکہ آرائی

ثابت نہ تھے بدن پہ کسی تیغ زن کے ہاتھ
اڑتا تھا سر پہ جسکے لگاتے تھے تن کے ہاتھ
سب تھک گئے مگر نہ تھکے صف شکن کے ہاتھ
وہ معرکہ رہا اُسی گل پیرہن کے ہاتھ

پہنچا تھا ہاتھ ہاتھ جو دستِ خدا کا زور
ہر ضرب میں دکھا دیا خیبر کشا کا زور
زمیں جمے تھے دلبر ضرغامِ دیں کے پاؤں
سچ ہے کہیں اکھڑتے ہیں رکنِ رکیں کے پاؤں
دہشت سے اٹھ گئے تھے ہر اک اہلِ کیں کے پاؤں
تھمتے نہ معرکہ میں جو ہوتے زمیں کے پاؤں
جس دم وہ حرب ضرب اسے یاد آتی ہے
یہ زلزلہ نہیں ہے زمیں کانپ جاتی ہے

تلوار کی کاٹ

سر سے عدو کے خود جدا تن سے سر جدا
شانوں سے ہاتھ ہاتھ سے تیغ و سپر جدا
سینے سے پسلیاں تو شکم سے کمر جدا
گھٹنوں سے ہر دو پائے ضلالت اثر جدا
ٹکڑے تھے عضو قطع تھا جامہ حیات کا
عالم مرکّبات میں تھا مفردات کا

گھوڑے کی تعریف میں دو بند ملاحظہ ہوں

گھوڑے کی تعریف

نازک مزاج و نسترن اندام و تیز رو
گردوں بسیر بادیہ پیما و برق دو
اس کا نہ اک قدم نہ زغندیں ہرن کی سو
دو روز سے نہ کاہ ملی تھی اُسے نہ جو
رفتار میں ہوا تھا اشارے میں برق تھا
سرعت میں کچھ کمی تھی نہ چھل بل میں فرق تھا
سمٹا جما اوڑا اِدھر آیا اُدھر گیا
چمکا پھرا جمال دکھایا ٹھہر گیا
تیروں سے اُڑ کے برچھیوں میں بے خطر گیا
برہم کیا صفوں کو پروں سے گذر گیا

گھوڑوں کا تن بھی ٹاپ سے اس کے فگار تھا
ضربت تھی نعل کی کہ سر دہی کا وار تھا

فوج شام سے ایک نامی پہلوان حضرت علی اکبر سے مقابلہ کرنے کے لئے نکلا اور

معرکہ آرائی

شامی بڑھا ادھر کو جو بھالا سنبھال کے	صفدر نے دی صدا کہ ذرا دیکھ بھال کے
میمنہ کی فرس کو جو کاوے پہ ڈال کے	رہوار شبیر بن گیا آنکھیں نکال کے
سیماب جو ہو گرم تو پھر کیا قرار لے
نزدیک تھا شقی کو فرس سے اُتار لے

پیچھے ہٹا جھجک کے جو خونخوار کا سمند	آگے بڑھا حسین کا فرزند ارجمند
دونوں طرف نیزے ہوئے بلند	عقدے ہنر کے کھل گئے بندھنے لگے جو بند
لہراتے تھے ہوا سے پھریرے کھلے ہوئے
دو اژدھے تھے جنگ کے اوپر تلے ہوئے

گہ ڈانڈ پر تھی ڈانڈ سناں پر کبھی سنان	انیو ںسے اڑ رہے تھے شرار ی کہ الاماں
ہر طعن تھی غضب کی تو آفت کی ہر نکال	طاقت کا جائزہ تھا شجاعت کا امتحاں
یہ بھی عرق میں وہ بھی پسینے میں غرق تھا
پر زور ضرب میں حق و باطل کا فرق تھا

حضرت علی اکبر حریف کا ہر وار رد کرتے ہیں۔ اب تلوار کا مقابلہ ہوتا ہے۔

لی زرد رو[1] نے میان سے شمشیر برق دم دو بجلیاں چمک کے ہوئیں یک بیک علم
نکلے سیاہ ابر سپر[2] سے اٹھے بہم چالاکیاں دکھانے لگے اسپ خوش قدم
دونوں طرف ہوئی تنگ و دو کارزار میں
یہ گرد اوڑی کہ چھپ گیا گردوں غبار میں

ڈھالوں کے پرزے ہو گئے سہم کے جو وا[3] پھرتا تھا اژدہے کی طرح دم سیاہ کا
دانتوں کو پیس پیس کے آتا تھا بار بار لیکن نہ بڑھنے دیتا تھا حضرت کا یادگار[4]
نقشہ دکھا دیا شہ دلدل سوار کا
جب حرب کی تو نام لیا کردگار کا

حضرت علی اکبر کی ضرب تیغ سے حریف کا یہ حال ہوا۔ کہ

نکلی بغل سے تیغ عجب کر و فر کے ساتھ
اک ہاتھ تن کے ساتھ گرا ایک سر کے ساتھ

جناب امام عالی مقام دور سے اپنے فرزند کو فتحمند دیکھ کر سجدہ شکر ادا کرتے ہیں۔ اور بارگاہ احدیت میں عرض پیرا ہیں۔ کہ

بہتر نہیں ہے اس سے میرے پاس کوئی شے مایہ ہے تو یہ ہے جو بضاعت ہے تو یہ ہے
گذری بہار زیست کی آیا زمان دے اب کوئی دم میں عمر کا بھی مرحلہ ہے طے
حرمت سے اس پسر کی شہادت حصول کر
یارب فقیر کا ہے یہ ہدیہ قبول کر

[1] یعنی حریف [2] ابر کے ٹکڑے [3] یعنی حریف [4] یعنی حضرت علی اکبر
[5] یعنی حضرت علی اکبر

حضرت امام تو مصروف دعا ہیں ۔ اب شاعر حضرت علی اکبر کی طرف متوجہ ہو کر کہتا ہے ۔ کہ

یہ دیر سے لڑے ہوئے وہ فوج تازہ دم
فاقوں کا ضعف بھائی کا صدمہ پدر کا غم
ہاتھوں کا زور کم ہوا جاتا تھا دمبدم
پر کھیت میں جمے ہوئے تھے شبیر کے قدم
آنکھیں تو سرخ غیظ سے تیوری چڑھی ہوئی
طاقت گھٹی ہوئی تھی یہ ہمت بڑھی ہوئی

اسی حالت میں آپ سخت مجروح ہو کر گر پڑے ۔ اور شمر نے آپ کو شہید کر دیا ۔

رفقائے حسینی کی تعریف کے سلسلے میں مرثیہ نگار اس طرح کہتا ہے ۔

شجاعت و ثابت قدمی

دیندار و سرفروش و شجاع و خوش اعتقاد
ہاتھوں میں تیغیں اور دلوں میں خدا کی یاد
زخموں کو نخلِ قد میں وہ سمجھیں گل مراد
مردانگی یہ پیاس میں فاقوں میں یہ جہاد
تیغوں سے بند کون سا ان کا کٹا نہ تھا
پر معرکہ سے پاؤں کسی کا ہٹا نہ تھا

رستم اٹھا نہ سکتا تھا سر انکے سامنے
شیروں کے کانپتے تھے جگر انکے سامنے
پھیکی تھی روشنئ قمر ان کے سامنے
اڑتا تھا رنگ روئے سحر انکے سامنے
بخشا تھا نور حق نے ہر اک خوش صفات کو
ہوتا تھا دن جو گھر سے نکلتے تھے رات کو

شجاعت و فاداری

اکسیر کر گئی تھی انہیں صحبتِ امام — تھا نزع میں بھی خشک لبوں پر خدا کا نام
لبریز تھے محبتِ حیدر سے دل کے جام — ذی قدر ذی شعور دلاور خجستہ کام
لشکر جوان پہ ٹوٹ پڑے شام و روم کے
تلواریں کھائیں جسموں پہ کیا جھوم جھوم کے

واقعہ نگاری

لاکھوں میں انتخاب ہزاروں میں لاجواب — تھا خشک و تر پہ جن کا کرم صورت سحاب
وہ نور وہ جلال وہ رونق وہ آب و تاب — زہرا کے گھر کے چاند زمانے کے آفتاب
بس یک بیک جہاں میں اندھیرا سا چھا گیا
دن بھی ڈھلا نہ تھا کہ زوال ان پہ آ گیا

رفقا کے بعد عزیزوں کی نوبت آئی۔ یہاں تک کہ حضرت عبّاس علمدار بھی جام شہادت نوش کر چکے، مرثیہ نگار اس موقع پر کہتا ہے۔ کہ

یوں گھر الٹ پلٹ تھا امامِ حجاز کا
جس طرح ٹوٹ جاتا ہے لنگر جہاز کا

اس طرف ہنگامۂ ماتم برپا ہے۔ اس طرف فوجِ شام سے نعرۂ ھل من مبارزٍ بلند ہوتا ہے۔

جوشِ وغا

اکبر نے کی غضب کی نظر سوئے فوج شام — کانپے یہ غیظ سے کہ اُگلنے لگی حسام[1]
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے قبلۂ انام — سنتے ہیں آپ لشکرِ اعدا کے یہ کلام

[1] یعنی تلوار نیام سے خود نکلنے لگی

خون تن میں جوش کھاتا ہے ہنگام جنگ ہے
مولا بس اب تو حوصلۂ صبر تنگ ہے

جنابِ امام حسین علیہ السلام فرزند کی تقریر سُنکر بیقرار ہوگئے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ انسان کو صابر و ضابط ہونا چاہیئے۔ فوجِ شام اگر مضحکہ اڑاتی ہے تو اڑانے دو تمہیں اس قدر جوشِ غضب میں نہ آنا چاہیئے۔ یہ فرما کر خود آمادہ شہادت ہوتے ہیں حضرت علی اکبر سے ضبط نہ ہوسکا۔ بے اختیار آنکھوں سے جوئے اشک جاری ہوگئی۔ عرض کرنے لگے۔

جذبۂ شہادت و ایثار

بہرِ رسول رَن کی رضا دیجئے مجھے
صدقہ علی کا اذنِ وغا دیجئے مجھے
مرتا ہوں یا امام جلا دیجئے مجھے
یادِ خدا ہیں دل سے بھلا دیجئے مجھے
کھولیں کمر حضور تو دل کو قرار ہو
کہدیجئے کہ جا علی اکبر نثار ہو

جنابِ امام حسین فرزند کا جذبۂ شجاعت اور جوشِ غیرت دیکھکر مجبور ہوجاتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے۔

دیتا اگر کوئی تمہیں فرزند ذوالجلال
ہوتی پدر کی قدر سمجھتے ہمارا حال
رخصت کا آپ سے یوہیں کرتا وہ جب سوال
تب جانتے کہ دیتے اُسے رخصتِ جدال
کیا جانیں وہ مزہ جسے اس کا ملا نہیں
اچھا سدھارو تم سے ہمیں کچھ گلا نہیں

حضرت علی اکبرؑ جنابِ امام کی زبانِ فیض ترجمان سے مژدۂ اجازت سُنکر

لبریز مسرت ہو گئے۔ اس کے بعد حسب الارشاد جناب، عالیمقام خیمہ عصمت میں آ گئے۔ اور والدہ محترمہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

ماں گرد پھر کے بولی کہ اے میرے گلعذار
تم صبح سے گئے تھے اب آئے ہو میں نثار
در پر تڑپ تڑپ کے میں جاتی تھی بار بار
کھولو بس اب کمر کہ مرا دل ہے بیقرار
گرمی یہ اور قحط کئی دن سے آب کا
رُخ تمتما گیا ہے مرے آفتاب کا

حضرت شہربانو یہ دیکھکر کہ فرزند کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہیں۔ بیتاب ہو گئیں اور سبب دریافت فرمایا۔ حضرت علی اکبر عرض کرتے ہیں۔ کہ اب آپ میری محبت بھلا دیجئے۔ اور مجھے اجازت دیجئے کہ والدہ ماجد کے قدموں پر نثار ہو جاؤں۔ سب عزیز و رفیق کام آ چکے۔ جناب امام ان صدمات سے نیمجاں ہو رہے ہیں۔ اس طرف فوجِ شام آمادۂ جنگ ہے۔

جذبات نگاری

دیکھی گئی نہ ماں سے یہ بیتابی پسر
وارث کی بیکسی پہ لگا کانپنے جگر
ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ نوحہ گر
دولت پہ فاطمہ کے تصدّق تمام گھر
پہلے نہ کچھ کہا تھا نہ اب روکتی ہوں میں
روتے ہو کس لئے نہیں کب روکتی ہوں میں

ماں سے رخصت ہو کر حضرت علی اکبر اپنی پھوپھی حضرت زینب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جناب زینب حضرت علی اکبر کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں۔ اور ابتدا سے انہوں نے حضرت علی اکبر کو پالا تھا۔ اس لئے جب انہیں

حضرت علی اکبر کا ارادہ معلوم ہوتا ہے۔ تو بیقرار ہو جاتی ہیں۔ اور اپنے حقوق یاد دلاکر اظہارِ ناراضی فرماتی ہیں۔ حضرت علی اکبر سلسلہ جواب میں عرض کرتے ہیں

جذبہ فرمانبرداری و غیرت

مرضی نہ ہو تو رن کو بھی جائے نہ یہ غلام　　بندے ہیں ہم اطاعت مالکِ ہی ہم کو کام
تکرار کی مجال نہ اصرار کا مقام　　مرتے اگر تو اس میں بھی تھا آپ ہی کا نام

روتی ہیں آپ کس لئے اچھا نہ جائیںگے
پر یاد رکھئے منہ نہ کسی کو دکھائیں گے

یہ سُنکر حضرت زینب ضبط نہ فرما سکیں۔ اس موقع پر شاعر کہتا ہے۔ کہ

اُمڈا یہ دل کہ چشم کے ساغر چھلک پڑے[1]
دیکھا جو آفتاب کو آنسو ٹپک پڑے

آخر کار حضرت زینب اجازت دینے پر مجبور ہو جاتی ہیں اور اسطرح ارشاد فرماتی ہیں

تم ئے پیا حسین پہ جو اُس کو رد کرو
اچھا سدھارو دُکھ میں پدر کی مدد کرو

لیکن پھر بھتیجے کی محبت غالب آجاتی ہے۔ فرماتی ہیں۔

ایسا ہے اضطراب کہ کچھ جس کی حد نہیں
جو آپ ہیں نہو سخن اس کا سند نہیں

پھر فرماتی ہیں کہ تمہاری جدائی کے خیال سے میرا تو یہ حال ہے۔ خدا جانے تمہاری ماں جب سنیگی تو کیا حال ہوگا۔ اسی سلسلۂ بیان میں ارشاد ہوتا ہے۔

---

[1] چشم کے ساغر چھلک پڑے۔ یعنی بے اختیار آنسو نکل پڑے۔

ماں کی محبّت کا مقابلہ

سچ ہے کہ اس کی چاہ سے نسبت مجھے کہاں ہوں لاکھ اُن کی چاہنے والی وہ پھر ہے ماں
آنکھوں کا نور قلب کی طاقت بدن کی جاں آنچ آتما کی ہے وہ قیامت کہ الاماں

دو ماں کا ساتھ نامِ خدا اب جوان ہو
میرا ہے جب یہ حال پھر اُسکی تو جان ہو

حضرت شہر بانو جناب زینب کی یہ گفتگو سُن لیتی ہیں اور کہتی ہیں۔

کس کی مجال ہے جو کہے یہ کہ کیا کیا بی بی نے وی غلام کو رخصت بجا کیا

اسی سلسلہ بیان میں پھر کہتی ہیں۔

پاسِ ادب

غم کھائیے نہ خونِ جگر آپ پیجئے عابد کو نہ بھیجئے علی اکبر کو نہ بھیجئے
ہے اختیار دیجئے رخصت نہ دیجئے قربان جاؤں جو ہو مناسب وہ کیجئے

شادی ہو یا کہ غم ہو شریکِ ثواب ہوں
ہر طرح سے میں تابعِ حکمِ جناب ہوں

میں اس کی ماں نہیں ہوں ہیں آپ ہی کا لال دخل اس معاملہ میں کوئی دے یہ کیا مجال
یہ عازمِ جدال ہے اور آپ کا یہ حال قدموں کو چھوڑتا نہ کبھی یہ نکو خصال

آپ اس کو چاہتے ہیں یہ صدقے ہیں آپ پر
پر کیا کرے کہ آج مصیبت ہے باپ پر

الغرض حضرت علی اکبر اجازت لے کر رخصت ہوتے ہیں۔ اس موقع پر شاعر کہتا ہے۔ کہ

آخری رخصت

ہلتا تھا خیمہ رانڈوں میں تھی یہ دھڑ ادھڑی آہوں کی بجلیاں تھیں تو اشکوں کی تھی جھڑی
کوئی ادھر کو غش تھی کوئی تھی ادھر پڑی آفت کا وقت تھا تو قیامت کی تھی گھڑی
ماتم تھا یہ حسین کے تازہ جوان کا
جاتا ہے گھر سے جیسے جنازہ جوان کا

حضرت علی اکبر عصمت سرا سے برآمد ہو کر جناب امام کی خدمت میں حاضر ہو کر قدمبوس ہوئے۔ اس کے بعد میدانِ جنگ میں تشریف لائے۔ شاعر حضرت علی اکبر کی توصیف میں اس طرح کہتا ہے۔ کہ

مناقب حضرت علی اکبر

اللہ یہ نبیرۂ مشکلکشا کی شان تھی جس کے عضو عضو سے پیدا خدا کی شان
حیراں تھے لوگ دیکھ کے اس مہ لقا کی شان حمزہ کا رعب زورِ علی مصطفا کی شان
پاکیزگی نسب میں بزرگی صفات میں
شیرینئ کلام حسن بات بات میں

حضرت علی اکبر کا حسن و جمال دیکھ کر فوج شام کے کچھ لوگ آپس میں اس طرح گفت گو کرتے ہیں۔

کچھ عمر بھی نہیں ابھی اٹھارواں ہے سال یہ باغ کس بہار میں ہوتا ہے پائمال
قامت ہے یہ کہ سرو گلستانِ اعتدال ماں باپ دیکھ دیکھ کے کیونکر نہوں نہال
آنکھوں کے سامنے جو یہ قامت نہوئیگی
نبلاؤ ماں کے دل پہ قیامت نہوئیگی

ناگاہ عمر ابن سعد نے فوج کو للکارا۔ اور کہا کہ ہاں بہادرو! یہی ایک نوجوان باقی ہے۔ جس کے بعد خاتمہ ہے۔ فرزند کے غم میں حسین بے موت مرجائینگے

یہ سُنکے فوجِ کیں ہوئی آمادہ نبرد　　دردِ دلِ حسین کا تھا ایک کو نہ درد
غل سُن کے ہوگیا شہِ والا کا رنگ زرد　　کانپے جو پانوں بیٹھ گئے بھر کے آہ سرد
ماں گر پڑی زمیں پہ پھوپھی بلبلا گئی
بدلی ستم کی واں علی اکبر پہ چھا گئی

لڑنے کو اس طرف سے عدو سب کے سب بڑھے　　تنہا اُدھر سے اکبرِ عالی نسب بڑھے
چومے قدم نبی[1] نے جھک کر یہ جب بڑھے　　گویا برائے جنگ امیرِ عرب[2] بڑھے

معرکہ آرائی

تھم تھم کے یوں گیا صفِ اعدا پہ وہ دلیر　　جاتا ہے داؤں کر کے غزالوں پہ جیسے شیر
غازی جو بھوک پیاس میں تھا زندگی سے سیر　　کُشتوں کے پشتے ہوگئے دم میں سروں کے ڈھیر
اک سیل زور شور سے آئی گذر گئی
ثابت نہ یہ ہوا صفِ اوّل کدھر گئی

نقشہ جنگ

چہرے پہ ایک کے نہ بحالی نظر پڑی　　جو صف بھری ہوئی تھی وہ خالی نظر پڑی
سر پر سبھوں کے تیغ ہلالی نظر پڑی　　سُوئے جنوب فوج شمالی نظر پڑی
سر داخلِ خزانۂ سرکار ہوگئے
پہلا ہی جائزہ تھا کہ بیکار ہوگئے

[1] حضرت امام حسین۔ [2] حضرت علی کا لقب ہے۔

ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ بھالے اِدھر اُدھر　　چھپتے تھے ڈر کے برچھیوں والے اِدھر اُدھر
پیش نظر تھے خون کے تھالے اِدھر اُدھر　　ابتر تھے وشت کیں میں رسالے اِدھر اُدھر
تھے قتلِ عام پر علی اکبر تلے ہوئے
رستے تھے بند زخموں کے کوچے کھلے ہوئے

تلوار کی تعریف

بڑھکر کسی نے وار جو روکا سپر کٹی　　چار آئینہ کٹا زرہ جیبرہ سر کٹی
نیزے کی ہر گرہ صفت نیشکر کٹی　　سینہ کٹا جگر ہوا زخمی کمر کٹی
رہوار بھی دو نیم میان مصاف تھا
الغرض سب کے بعد منہ کو جو دیکھا تو صاف تھا

سیدھی چلی وہ جب صفِ دشمن الٹ گئی　　باقی تھی جتنی عمر تہ تیغ کٹ گئی
اکر زمیں پہ جب سوئے گردوں پلٹ گئی　　بجلی سے رعد رعد سے بجلی لپٹ گئی
اک اک سیاہ رو کا جگر داغ داغ تھا
جنگل تمام ڈھالوں کا پھولوں سے باغ تھا

چمکی گری اٹھی ادھر آئی اُدھر گئی　　خالی کئے پرے تو صفیں خوں میں بھر گئی
کاٹے کبھی قدم کبھی بالائے سر گئی　　ندّی غضب کی تھی کہ چڑھی اور اُتر گئی
اک شور تھا یہ کیا ہے جو قہر صمد نہیں
ایسا تو رود نیل میں بھی جزر و مد نہیں

سرخود سروں کے چنبر گردن سے اُٹھ گئے　　ہاتھ آستیں سے اڑ گئے سرتن سے اُڑ گئے
ڈر ڈر کے سب پرند نشیمن سے اڑ گئے　　پائی جو راہ طائر جاں تن سے اُڑ گئے

سختی کو جوڑ بند کے کب مانتی تھی وہ
ہر استخواں کو مغز قلم جانتی تھی وہ

زندہ کسیکو تیغ دو دم چھوڑتی نہ تھی　　پیاسی یہ تھی کہ جسم میں دم چھوڑتی نہ تھی
بے دم لیئے گلا کوئی دم چھوڑتی نہ تھی　　بھاگیں کہاں کہ موت قدم چھوڑتی نہ تھی
خود وہ دبے جو لڑتے تھے گھوڑونکو داب کے
بیڑی قدم میں بن گئے حلقے رکاب کے

نقشہ ہزیمت

کرتے تھے فتح جنگ کو جو ایک آن میں　　رعشہ تھا ان کے ہاتھ میں لکنت زبان میں
الجھاتے تھے کمند کمینے کمان میں　　ترکش میں تیغ رکھتے تھے نیزونکو میانیں
تلوار رکھکے ہاتھ سے منھ ڈھانپ لیتے تھے
آتی تھی تیغ جب تو سپر پھینک دیتے تھے

گھوڑے کی تیز رفتاری کے سلسلہ بیان میں ایک بیت نہایت نادر ہے

راکب نے سانس لی کہ وہ کوسوں روانہ تھا
تار نفس بھی اس کے لئے تازیانہ تھا

اسی سلسلۂ بیان میں ایک بند ملاحظہ ہو۔

وہ جست خیز و سرعت و چالاکی سمند　　سانچے میں تھے ڈھلے ہوئے سب اسکے جوڑ بند
سم قرص ماہتاب سے روشن ہزار چند　　نازک مزاج و شوخ و سیہ چشم و سربلند
گر ہل گئی ہوا سے ذرا باگ اڑ گیا
پتلی سوار کی نہ پھری تھی کہ مڑ گیا

بجلی کبھی بنا کبھی راہوار بن گیا آیا عرق تو ابرِ گہر بار بن گیا
گہ قطب گاہ گنبدِ دوّار بن گیا نقطہ کبھی بنا کبھی پرکار بن گیا
حیراں تھے اسکے گشت پہ لوگ اس ہجوم کے
تھوڑی سی جا میں پھرتا تھا کیا جھوم جھوم کے

مرقع نگاری

سینے پہ تیر کھا کے اٹھایا جو راہوار بجلی چمک کے ہوگئی گویا فلک کے پار
سر خاک پہ گرانے لگی تیغ آبدار تیروں کو پھینک پھینک کے بھاگے خطا شعار
حملہ کیا تھا جن پہ رُخ اُن کے تو پھر گئے
پر یہ پلٹ کے برچھیوں والوں میں گھر گئے

یوں آگیا سنانوں میں وہ آسماں جناب ہو جس طرح خطوطِ شعاعی میں آفتاب
سوکھی زباں میں پڑ گئے کانٹے بغیر آب طاقت بھی فرط ضعف سے دینے لگی جواب
آمد ہوئی تھی غش کی سر پاک جھک گیا
واحسرتا کہ ہاتھ بھی لڑنے سے رُک گیا

ناگاہ فوج حریف میں سے کسی نے نیزہ کا وار کیا۔ اور
کھینچا جو اس نے سینے سے نیزہ تکاں کے تھا
کچھ پارہ جگر نکل آئے سناں کے ساتھ

اس حالتمیں بھی حضرت علی اکبر نے حریف کو خالی نہ جانے دیا آپنے اس قوت وطاقت سے حملہ کیا کہ
پہنچوں سے اُسکے ہاتھ قلم ہو کے گر پڑے
لیکن فرس سے آپ بھی خم ہو کے گر پڑے

حضرت علی اکبر جناب امام حسین کو پکارتے ہیں۔ جناب امام فرزند کی آواز سُنکر بیقرار ہو جاتے ہیں، حضرت علی اکبر کی والدہ از خود رفتہ ہو گئی ہیں۔ قریب ہے کہ خیمہ سے باہر نکل آئیں۔ جناب امام سمجھاتے ہیں۔

وہ پیاس اور وہ دھوپ کا صدمہ وہ اضطرار بانو کو قسمیں دے کے چلے شاہ نامدار
اٹھتے تھے اور زمین پہ گرتے تھے بار بار دل تھا اولٹ پلٹ تو کلیجہ تھا بیقرار

چلّاتے ہیں شبیہ پیمبرؐ ہم آتے ہیں
گھبرائیو نہ اے علی اکبر ہم آتے ہیں

جناب امام قریب جا کر اپنے نور نظر حضرت علی اکبر کو اس حال میں دیکھتے ہیں کہ

چہرہ سفید خاک میں گیسو اٹے ہوئے

اور زبان پر یہ الفاظ ہیں۔

پھر ایک بار سیّدِ والا کو دیکھ لوں
مہلت بس اتنی چاہیئے بابا کو دیکھ لوں

جناب امام انتہائی ضبط فرماتے ہیں۔ پھر بھی زبان مبارک پر یہ الفاظ آجاتے ہیں۔

بہنیں کھڑی ہیں در پہ بڑے اشتیاق میں
اکبر تمہاری ماں نہ جیے گی فراق میں

ماں کا نام سُنکر حضرت علی اکبر چشم نیم وا سے خیمہ کی طرف دیکھنے لگتے ہیں اور روح پاک رخصت ہو جاتی ہے۔

حضرت علی اکبر کی مدح سرائی کرتے ہوئے مرثیہ نگار لکھتا ہے۔

آئینۂ رُخ آئینہ روئے محمدؐ　　اور گیسوؤں میں نکہت گیسوئے محمدؐ
اجلال علیؑ خلق حسن خوئے محمدؐ　　آتی تھی تنِ پاک سے خوشبوئے محمدؐ
تنہا تھا نہ حسن شہ[1] لولاک کا جلوہ
اس نور میں تھا پنجتنِ پاک کا جلوہ

باپ کی محبّت

جس روز سے پیدا ہوا وہ گیسوؤں والا　　مادر کی طرح باپ نے آغوش میں پالا
فرماتے تھے مُنہ چوم کے ہر دم شہِ والا[2]　　ہمشکلِ پیمبر ہے مرے گھر کا اُجالا
کیونکر نہ فدا ہوں کہ یہ سایا ہے نبی کا
اس ماہ نے دیدار دکھایا ہے نبی کا

ماں کی محبّت

فرزند سے مادر کی محبّت تو ہے مشہور　　بانو نے کبھی آنکھ سے اک پل نہ کیا دور
زینت وہی گھر کی تھی وہی آنکھوں کا تھا نور　　ماں کو وہی منظور تھا جو تھا اسے منظور
خوش دیکھ کے چھاتی سے لگا لیتی تھی بانو
روتا تھا جو فرزند تو رو دیتی تھی بانو

۱؎ یعنی حضور محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم

۲؎ یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام

زلفِ رُخِ اکبر پہ نظر تھی سحر و شام | اس لعل کی خدمت کے سوا اور نہ تھا کام
بانو کے تن پاک کی جاں تھا وہ گل اندام | ماں رہتی تھی بیدار پسر کرتا تھا آرام

نظروں سے چھپے گر تو رہی جان بدن میں
جب آگئے باہر سے تو جان آگئی تن میں

حضرت امام کو آمادہ جنگ دیکھ کر حضرت علی اکبر سے ضبط نہ ہو سکا۔ عرض کرنے لگے۔ کہ پہلے مجھے قدموں پر نثار ہونے دیجئے۔ میری آنکھیں آپ کے تنِ اقدس کو آلودہ خاک و خوں نہیں دیکھ سکتیں۔ جناب امام ہر چند انکار فرماتے ہیں۔ لیکن حضرت کا اصرار بڑھتا جاتا ہے۔ آخر مجبور ہو کر جناب امام نے فرمایا کہ اچھا پہلے اپنی ماں اور پھوپھی سے اجازت لیلو۔

واقعہ نگاری

اب کاتبِ اخبارِ عزا کرتے ہیں تحریر | اٹھارہ برس کے ہوئے جب اکبرِ دلگیر
غربت میں گرفتارِ مصیبت ہوئے شبیر | دعوت کے عوض جمع تھے تیغ و تبر و تیر

وہ پیاس سے مرتے تھے جو نازوں کے پلے تھے
تلواریں تھیں اور آلِ محمد کے گلے تھے

جب رو چکے قاسم کو شہِ بیکس و بے آس | گلچین گلستانِ شہادت ہوئے عباس
بھائی جو ہوا قتل تو جینے سے ہوئی یاس | کوئی علی اکبر کے سوا پھر نہ رہا پاس

بیتاب تھے تھامے ہوئے ہاتھوں سے کمر کو
تکتا تھا پسر باپ کو اور باپ پسر کو

ف ۱ یعنی حضرت علی اکبر

حضرت علی اکبر جناب امام عالی مقام کے ہمراہ خیمہ عصمت میں جاکر اپنی والدہ اور حضرت زینب سے اجازت طلب ہوئے۔ بڑی دشواریوں سے اجازت ملی۔ وہاں سے رخصت ہوکر عازم میدانِ جنگ ہیں۔ اور دوسری طرف غنیم کو حضرت علی اکبر کی آمد کا حال معلوم ہوتا ہے۔

طیاری جنگ

یہ سنتے ہی لشکر کی صفیں ہوگئیں تیّار ڈنکے پہ لگی چوب علم کھل گئے یکبار
بجلی سی چمکنے لگی ایک ایک کی تلوار ڈھالوں کا اٹھا چارطرف ابر دھواں دھار
شورِ دُہلِ حرب گزرتا تھا فلک سے
خیرہ تھی نظر برچھیوں کے پھل کی چمک سے

ناگاہ زمین رن کی ہوئی وادی ایمن[1] صحرائے بلا دور تلک ہوگیا روشن
نعرہ جو کیا شیر نے تھرّا گئے دشمن رشکِ مہ نو بن گئے نقش سُمِ توسن
ذرّوں نے نگاہوں سے ستاروں کو گرایا
گھوڑوں نے الف[2] ہو کے سواروں کو گرایا

حضرت علی اکبر فوجِ شام کے سامنے پہنچتے ہیں۔ اور مصروفِ جنگ ہوتے ہیں۔ تلوار کی تعریف میں یہ بیت خوب ہے۔

اک برق جہاں سوز چمکتی نظر آئی
جس صف پہ گری آگ بھڑکتی نظر آئی

[1] اس جگہ حضرت موسیٰ نے تجلی باریتعالیٰ کو مشاہدہ کیا تھا [2] پچھلے پاؤں پر کھڑے ہو ہو کر

معرکہ آرائی

تنہا تھے مگر فوج ستمگار کو روکا　　دو چار کو گھائل کیا دو چار کو روکا
غازی نے سپر پر نہ کسی وار کو روکا　　روکا بھی تو تلوار پہ تلوار کو روکا
نیزے نے ستمگاروں کے دل توڑ دیے تھے
تلوار نے تلواروں کے منہ موڑ دیے تھے

تلوار کی کاٹ

دو ٹکڑے کیا خودوں کو گردن پہ نہ ٹھہری　　گردن سے بڑھی آگے تو جوشن پہ نہ ٹھہری
جوشن کو بھی جب کاٹ چکی تن پہ نہ ٹھہری　　کیا تن کی حقیقت تھی کہ توسن[1] پہ نہ ٹھہری
اسواروں کو جنبش نہوئی خانۂ زیں پر
اللہ رے صفائی کہ یہ ٹھہری تو زمیں پر

گھوڑوں سے اڑی گرد ہوا رن میں اندھیرا　　میداں سے نہ اکبر نے مگر باگ کو پھیرا
چلاتی تھی بانو کہ پھرا لال نہ میرا　　یاں حضرتِ شبیر کو تشویش نے گھیرا
اودھ اودھ کے کبھی دیکھتے تھے فوج ستم کو
کہتے تھے کہ لو کچھ نظر آتا نہیں ہم کو

جناب امام نے جب بڑے غور کے بعد دیکھا۔ تو حضرت علی اکبرؑ مصروفِ جنگ نظر آئے۔

ناگاہ یہ دیکھا کہ چلا نیزۂ خونخوار　　چلائے شہِ دیں کہ میرے لال خبردار
یاں سینۂ اکبرؑ سے ہوئی نوکِ سناں پار　　تھرائے کلیجے کو پکڑ کر شہِ ابرار

[1] توسن بمعنی گھوڑا

پھل برچھی کا چھاتی سے نکلتے ہوئے دیکھا
خوں سینۂ انور سے ابلتے ہوئے دیکھا
اور اس کے بعد حضرت علی اکبر شہید کر دئے گئے۔

پہلی جلد ختم ہوئی